سلسلہ نمبر 22، اجراء اکتوبر 2019ء بمطابق صفر 1441ھ

زرِ تعاون بھیجنے کے لیے اور **البیان** کے شمارہ جات جاری کروانے کے لیے ذیل میں دیئے گئے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر رقم ارسال کریں نیز بذریعہ ایزی پیسہ اور آن لائن بھی رقم ارسال کرسکتے ہیں۔

تفصیلات کے لیے رابطہ: محمد کامران یاسین/ 03222056928

سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

برائے خط وکتابت: المدینہ ریسرچ سینٹر پوسٹ بکس نمبر 12231، ڈی ایچ اے، کراچی

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

AL-Madina Islamic Research Center

جامع مسجد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ نزد نثار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی۔

Ph:+92-21-35896959

Mob 03322135693

WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM

E-MAIL
albayanmirc@gmail.com

نوٹ: البیان میں شائع کیے جانے والے مضامین علمی و تحقیقی بنیادوں پر شامل اشاعت کیے جاتے ہیں ادارہ کا مضمون نگار سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

فہرست

اداریہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیکر رحمت وشفقت

قال ﷺ إنما أنا رحمة مهداة

خالد حسین گورایہ

آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص ایک بہت بڑا احسان فرمایا، ایسا احسان کہ تمام انسانیت اپنی تمام زندگی سربسجود گذار دے تو اس انعام واحسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (آل عمران:164)

ترجمہ: ''بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی اسی مشن کیلئے وقف کی جس کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں گذرا جس سب کا خلاصہ لوگوں کو اندھیروں سے اجالوں اور ظلم وفساد سے امن وعدل کی طرف نکالنا ہے۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی بنیادی کلید ہے۔ کیونکہ جس مشن کو آپ نے گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اس کی تمام تعلیمات رحمت کا پرتو ہیں۔ اس کے ایک ایک حکم سے رحمت جھلکتی ہے۔ اس لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا تو فرماتی ہیں:

«كان خلقه القرآن»[1]

''پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر بسنے والے ہر طبقے سے معاملہ کیا، اور ہر قسم کے حالات کا آپ کو سامنا رہا، چاہے جنگ کے حالات ہوں یا امن کے، اسلام کی طاقت وشان وشوکت کے دن ہوں یا کمزوری وضعیفی کے۔آپ نے ہر حالت اور ہر طبقہ کے ساتھ طرز وتعامل میں رحمت وشفقت کے پہلو کو نمایاں رکھا۔ جنگ کے لئے نکلتے تو فرماتے:

«اغْزُوا جميعاً فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ لا تَغُلُّوا وَلاَ تَغْدِرُوا، وَلاَ تُمَثِّلُوا وَلاَ تَقْتُلُوا وَلِيدًا ،فهذا عَهْدُ اللَّهِ وسيرة نبيّه فيكم»[2]

''تمام لوگ اللہ کے راستے میں جنگ کرو، جو اللہ کا کفر کرے اس سے قتال کرو، نہ خیانت کرو، نہ بد عہدی کرو، نہ مثلہ کرو، اور نہ بچوں کو قتل کرو، پس یہی تمہارے اللہ کا تم سے عہد ہے اور یہی تمہارے نبی کی تم میں سیرت اور طریقہ ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی لشکر کو جنگ کیلئے روانہ فرماتے تو انہیں یہ نصیحت فرماتے کہ:

«اخْرُجُوا بِسْمِ اللَّهِ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ لَا تَغْدِرُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا الْوِلْدَانَ وَلَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ»[3]

''اللہ کے نام سے نکلو، جو اللہ کا کفر کرے اس سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو، عہد کی خلاف ورزی نہ

---

[1] رواه احمد ، 25341، وصححه الألباني في صحيح الجامع 4811

[2] الحاكم (8623)، وقال الذهبي قي التلخيص: صحيح ابن هشام: السيرة النبوية 631/2

[3] رواه احمد (2728)والبيهقي (17933)، وقال الهيثمي في المجمع: رواه أبو يعلى والبزار والطبراني في الكبير والأوسط إلا أنه قال فيه: ولا تقتلوا وليدًا ولا امرأة ولا شيخًا، وفي رجال البزار: إبراهيم بن إسماعيل بن أبي حبيبة وثَّقه أحمد، وضعَّفه الجمهور، وبقية رجال البزار رجال الصحيح، وقال شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره،

کرو، نہ خیانت کرو، نہ مثلہ کرو اور نہ بچوں اور نہ ان راہبوں کو قتل کرو جنہوں نے خود کو عبادت خانوں میں محصور کر رکھا ہے۔"

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے میدان قتال میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو آپ کو یہ منظر سخت ناگوار گذرا۔ اور آپ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔"

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پیچھے اپنا قاصد بھیجا اور انہیں تعلیم دی کہ:

«قُلْ لِخَالِدٍ :لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلا عَسِيفًا»

خالد سے کہنا کہ "کسی عورت اور خادم کو قتل نہ کرے۔"[1]

بوڑھوں، بچوں، عورتوں، راھبوں کے قتل سے ممانعت کے ساتھ آپ نے املاک کو نقصان پہنچانے درختوں کو کاٹنے سے بھی منع فرمایا۔ جو اس بات کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ نے ہی سب سے پہلے ماحول دوستی اور اس کے تحفظ کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا آپ صرف انس و جن کے لئے رحمت نہیں بلکہ چرند و پرند اور حجر و شجر کے لئے بھی رحمت تھے۔ غزوہ موتہ کیلئے روانہ ہونے والے لشکر کو آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

«.... ولا تَقْطَعَنَّ شَجَرَةٍ وَلا تَعْقِرَنَّ نَخْلًا ولا تَهْدِمُوا بَيْتًا۔»[2]

ترجمہ: "کوئی درخت نہیں کاٹنا نہ کوئی کھجور کا تنہ تہہ تیغ کرنا اور نہ کوئی گھر گرانا۔"

جنگ ایک ایسا ماحول اور ایسے حالات ہوتے ہیں کہ جہاں نرم خو کو بھی سخت ہونا پڑتا ہے لیکن قربان جائے محمد رسول ﷺ پر کہ ان حالات میں بھی کمزوروں، ناتوانوں، حتیٰ کہ جمادات کا بھی خیال رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اور کسی بچے، عورت، بوڑھے، غلام، راہب کو قتل کرنے سے منع کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ املاک کو نقصان پہنچانے، درخت کاٹنے باغات اجاڑنے سے منع کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اسلامی تمام جنگیں مذہبی جنگیں تھیں۔ اور مذہبی طور پر مخالف مذہب کے راہب و عالم زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس مذہب کی ترویج واشاعت کرنے والے ہوتے ہیں لیکن اللہ کے رسول نے انہیں بھی قتل

---

[1] أبوداود 2669، وأبو يعلى 5147، وقال الألباني:حسن صحيح، انظر: صحيح سنن أبي داود للألباني 2324

[2] البيهقي في سننه الكبرى :17935

کرنے سے منع کیا کہ وہ دنیا سے علیحدہ ہوکر عبادت خانوں میں محصور ہو چکے ہیں، انہیں قتل نہ کیا جائے۔ کیا کسی اور سپہ سالار سے ایسے مثالیں مل سکتی ہیں؟۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی امتیاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام زندگی کو لوگوں کیلئے نمونہ بنا دیا اور فرمایا:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (سورۃ الاحزاب:21)

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

کمزور و ناتوانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت

ابو مسعود البدری الانصاری جلیل القدر صحابی ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ وہ اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«كنتُ أضرِب غلامًا لي بالسَّوط، فسمعتُ صوتًا من خلفي: (اعلم أبا مسعود، اعلم أبا مسعود، اعلم أبا مسعود)، فلم أفهم الصوت من الغضب، فلمَّا دنا مِنِّي إذا هو رسولُ اللّٰه -صلى اللّٰه عليه وسلم- فإذا هو يقول:(اعلم أبا مسعود، اعلم أبا مسعود)، فسقط السَّوْطُ من يدي من هَيْبَتِهِ، فقال:(اعلم أبا مسعود أنَّ اللّٰهَ أقدَرُ عليك منك على هذا الغلام)، فقلت: يا رسول اللّٰه، هو حُرٌّ لوجه اللّٰه، فقال -صلى اللّٰه عليه وسلم-:(أمَا لو لم تفعل للفحتْك النارُ، أو لمسَّتْك النار)، فقلت: والذي بعثك بالحقِّ، لا أضرب عبدًا بعده أبدًا، فما ضربت مملوكًا لي بعد ذلك اليوم»[1]

''میں اپنے ایک غلام کو چھڑی سے مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا کہ'' اے ابو مسعود خوب جان لو، اے ابو مسعود خوب جان لو، اے ابو مسعود خوب جان لو۔'' میں غصے

[1] جمعت بعض روايات أحمد والترمذي والطبراني لأصل روايتي مسلم للحديث

کی وجہ سے وہ آواز پہچان نہ سکا کہ کس کی آواز ہے۔ جب وہ میرے قریب آئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور وہی یہ فرمارہے ہیں کہ ''خوب جان لواے ابومسعود، خوب جان لواے ابومسعود'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے میرے ہاتھ سے چھڑی گر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خوب جان لواے ابومسعود کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس سے کہیں زیادہ طاقت رکھتا ہے جتنی تم اس غلام پر رکھتے ہو'' تو میں نے فرمایا: ''اے اللہ کے رسول یہ غلام آج سے اللہ کی رضا کیلئے میں نے آزاد کردیا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں چھولیتی'' تو میں نے فرمایا اللہ کے رسول میں آج کے بعد کسی غلام اور زیردست کو نہیں ماروں گا۔ اور اس دن کے بعد سے میں نے اپنے کسی غلام کو بھی نہیں مارا۔''

ایک جھاڑو دینے والی عورت کی خبر گیری کرنا

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فقَدَ النبي صلى الله عليه وسلم امرأةً سوداء كانت تلتقط الخِرَق والعيدان من المسجد، فقال: (أين فلانة؟)، قالوا: ماتت، قال: (أفلا آذنتموني؟!)، قالوا: ماتت مِن الليل ودُفنتْ، فكرِهنا أن نوقظك، فذهب رسول لله ﷺ إلى قبرها، فصلى عليها وقال: (إذا مات أحد من المسلمين، فلا تدَعُوا أن تُؤذِنوني)»[1]

ترجمہ: ''ایک دن ایک کالی عورت جو مسجد کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتی تھی فوت ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اسے نہ پایا تو پوچھا کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ فوت ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ کہنے لگے وہ رات کو فوت ہوئی تھی اور رات ہی دفن کردی گئی، ہم نے آپ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کی قبر پر گئے، وہاں اس کی جنازہ نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ ''جب بھی مسلمانوں میں سے کوئی فوت ہوجائے تو مجھے لازماً اطلاع کیا کرو''۔

---

[1] جمعت بعض روايات أحمد والترمذي والطبراني لأصل روايتي مسلم للحديث

اللہ اکبر یہ ہے ہمارے پیارے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی عام افراد بالخصوص کمزور طبقے سے محبت اور ان کے ہر غمی وخوشی میں شریک ہونے کی خواہش اور چاہت جس کی مثال ڈھونڈ ھنے سے نہیں ملتی۔

ضرورت مندوں اور محتاجوں سے رحمت و شفقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو ضرورت مند آتا آپ اس کی ضرورت پوری کرتے اگر اس وقت کچھ موجود نہ ہوتا تو کہتے کہ فلاں وقت آنا اس وقت میرے پاس کچھ مال آئے گا اس میں سے تمہیں دے دوں گا۔

سیدنا قبیصہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس امر کا شاہد ہے فرماتے ہیں:

«تحملت حمالة فأتيت رسول الله ﷺ أسأله فيها، فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها ثم قال: يا قبيصة، إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة: رجل تحمل حمالة، فحلت له المسألة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش- أو قال: سدادا من عيش - ورجل أصابته فاقة، حتى يقول ثلاثة من ذوي الحجى من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة. فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال: سدادا من عيش، فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحت، يأكلها صاحبها سحتا۔»[1]

''سیدنا قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے قرضہ کی ضمانت لی جو دیت کی وجہ سے تھا چنانچہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ادائیگی قرض کے لیے کچھ رقم یا مال کا سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ دن ٹھہرے رہو، جب ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آئے گا تو اس میں سے تمہیں دینے کے لیے کہہ دیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبیصہ! صرف تین طرح کے لوگوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ ایک تو اس شخص کے لئے جو کسی

[1] صحیح مسلم،باب من تحل له المسألة رقم:1044

کے قرض کا ضامن بن گیا ہو بشرطیکہ مانگنے میں مبالغہ نہ کرے بلکہ اتنے ہی مال یا رقم کا سوال کرے کہ اس سے قرضہ کو ادا کر دے اور اس کے بعد پھر نہ مانگے، دوسرے اس شخص کے لیے جو کسی آفت و مصیبت مثلاً قحط وسیلاب وغیرہ میں مبتلا ہو جائے اور اس کا تمام مال ہلاک و ضائع ہو جائے، چنانچہ اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی غذا و لباس کی ضرورت پوری ہو جائے یا فرمایا کہ اس قدر مانگے کہ اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کے لیے سہارا ہو جائے، تیسرے اس شخص کے لیے جو غنی ہو مگر اس کو کوئی ایسی سخت حاجت پیش آ گئی ہے جسے اہل محلہ بھی جانتے ہوں مثلاً گھر کا تمام مال واسباب چوری ہو جائے یا اور کسی مصیب و حادثے سے دوچار ہونے کے وجہ سے ضرورت مند بن جائے اور قوم محلہ و بستی کے تین صاحب عقل و فراست لوگ اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی اسے سخت حاجت پیش آ گئی ہے تو اس کے لیے اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یا فرمایا کہ اس کی وجہ سے اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کا سہارا ہو جائے۔ قبیصہ! ان تین کے علاوہ کسی اور کو سوال کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ان تین مجبوریوں کے علاوہ دست سوال دراز کر کے کسی سے کچھ لے کر کھاتا ہے تو وہ حرام کھاتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی آخرت کے بارے میں بڑے فکر مند رہتے اور اگر کوئی شخص اسلام میں داخلے کیلئے مال کی شرط رکھ دیتا تو آپ اس کی اس شرط کو مان لیتے تا کہ وہ اسلام میں ایک دفعہ داخل ہو جائے اور جہنم سے بچ جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«ما سئل رسول الله ﷺ على الإسلام شيئاً إلا أعطاه، ولقد جاءه رجل فأعطاه غنماً بين جبلين، فرجع إلى قومه فقال: يا قوم أسلِموا فإن محمداً يعطي عمن لا يخشى الفقر وإن كان الرجل ليسلم ما يريد إلا الدنيا، فما يلبث إلا يسيرا حتى يكون الإسلام أحب إليه من الدنيا وما عليها۔»[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث:2312

ترجمہ: ’’رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کوئی شخص اسلام کے نام پر کسی چیز کا سوال کرتا آپ اسے وہ چیز دے دیتے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا آپ نے ایک وادی بھر کر اسے بکریاں عطا کردیں۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا اے میری قوم اسلام قبول کرلو محمد ﷺ اتنا مال دیتے ہیں کہ اس کے بعد غربت کا کوئی ڈر نہیں رہتا، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص صرف دنیا کی خاطر اسلام لاتا تھا تو جب وہ اسلام میں تھوڑا سا عرصہ گذار لیتا تو پھر اس کے نزدیک اسلام دنیا و مافیہا سے محبوب ہوجاتا۔‘‘

الغرض آپ ﷺ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے، انہیں نفسیاتی اور طبی تعلیمی سہولتیں مہیا کرتے۔ وہ بیمار ہوتے تو ان کی تیارداری کرتے، ان کی بنیادی ضرورتیں پوری کرتے۔

بوڑھوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت

رسول اللہ ﷺ نے امت کے نوجوانوں کو یہ تعلیم دی کہ مسلمان بوڑھوں کی عزت واکرام کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی اجلال و تعظیم قرار دیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عمر رسیدہ افراد کیلئے شرعی احکامات میں بعض مقامات پر نرمی اور کمی کردی جو اس بات کا مظہر ہے کہ ان کے بوڑھاپے کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر رحمت وشفقت کرتے ہوئے کہ ان کی عمر کا تقاضا ہے کہ وہ یہ کام بجا نہیں لاسکیں گے اس میں کمی اور آسانی فرمادی گئی جس سے دین اسلام بالعموم اور رسول کریم ﷺ کی بالخصوص امت کے کمزوروں پر رحمت وشفقت کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

ایمان کی حالت میں بوڑھاپے کو اللہ کے رسول ﷺ نے باعث اجر اور رحمت ونور قرار دیا چنانچہ سنن ترمذی میں کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے فرماتے ہیں میں نے رسولِ کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[1]

’’جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوگیا تو یہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔‘‘

---

[1] صححه الألباني في صحيح الترمذي

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«الشيب نور المؤمن،لا يشيب رجل شيبة في الإسلام إلا كانت له بكل شيبة حسنة، ورفع بها درجة»[1]

''بوڑھاپا مومن کا نور ہے، جو شخص بھی اسلام میں بوڑھا ہوگیا اسے ہر سفید بال کے بدلے نیکی ملے گی، ہر سفید بال پر اس کا درجہ بلند ہوگا۔''

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا تنتفوا الشيب، فإنه نور يوم القيامة،من شاب شيبة في الإسلام كانت له بكل شيبة حسنة ،ورفع بها درجة»[2]

''سفید بالوں کو مت اکھاڑو سفید بال قیامت کے دن نور بن جائیں گے کوئی مسلمان ایسا نہیں جو حالت اسلام میں بوڑھا ہوجائے مگر یہ کہ اس کے سفید بالوں کے صلہ میں اللہ تعالی اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں۔''

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«الشيب نور في وجه المسلم، فمن شاء فلينتف نوره»[3]

''بوڑھاپا مومن کے چہرے کا نور ہے، اب جو چاہتا ہے وہ اس نور کو اکھاڑ دے۔''

یہ تمام روایات اس امر کی واضح دلیل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکھائی گئی تعلیمات میں بزرگوں کیلئے کتنی رحمت وشفقت اور پیار ومحبت والفت وعنایت ہے کہ جیسے جیسے مومن کی عمر ڈھلتی ہے رب کی عطا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ان تعلیمات سے مومن کا دل کتنا مطمئن اور خوش ہوتا ہے۔

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة :1243

[2] رواه ابن حبان،قال الألباني في سلسلة الأحاديث الصحيحة:247/3،إسناده حسن .

[3] سلسلة الأحاديث الصحيحة :1244

بچوں پر رحمت وشفقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ نہایت نرمی وشفقت سے پیش آتے اپنے بچوں اور نواسوں سے شفقت خاص کا معاملہ کرتے۔حسن حسین کو بوسہ دیتے ان کو کھلاتے ان کے ساتھ کھیلتے ،اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے:

«إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ،وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا،وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ»[1]

ترجمہ:''آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم نہیں کہتے،مگر وہی بات جس سے ہمارا رب راضی ہے اور ہم اے ابراہیم تمہارے فراق کے باعث غمگین ہیں۔''

جب بھی بچوں کے پاس سے گذر ہوتا انہیں سلام کرتے ان سے محبت وشفقت اور انسیت کا مظاہرہ کرتے نماز کے دوران بھی کبھی کبھار بچے کی خواہش پوری کر دیا کرتے،خطبہ دے رہے ہوتے توحسن وحسین کو دیکھ کر منبر سے اتر آتے انہیں بوسہ دیتے اور پھر منبر پر چڑھ جاتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الأَعْرَابِ عَلَى رَسُولِ اللهِ (ﷺ) فَقَالُوا: أَتُقَبِّلُونَ صِبيانكُمْ؟ فَقَالُوا: نَعم.قَالُوا:لكنَّا-واللهِ-مَا نُقبِّل-فَقَالَ رَسُولُ اللهِ(ﷺ):«أَوَ أَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللهُ نَزَعَ مِنْكُمُ الرَّحْمَةَ»[2]

ترجمہ:''اعراب کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائی اور کہنے لگے: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں،صحابہ نے فرمایاہاں،وہ کہنے لگےلیکن اللہ کی قسم ہم تونہیں دیتے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت وشفقت ہی کھینچ لی

---

[1] روه البخاري :1220، و مسلم :4279

[2] رواه البخارى:5998 ومسلم:2317

ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔“

آپ ﷺ نے حسن بن علی کو بوسہ دیا تو اس وقت وہاں اقرع بن حابس التمیمی بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے میرے دس بچے ہیں میں نے کسی ایک کو بھی کبھی بوسہ نہیں دیا آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ”جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔“[1]

یعنی جو دوسروں بالخصوص بچوں سے رحمت وشفقت سے پیش نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس سے بھی رحمت وشفقت کا معاملہ نہیں کریں گے۔

آپ ﷺ نے امامہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھی جب سجدہ کرتے اسے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔[2]

آپ ﷺ کے پاس بچے لائے جاتے آپ ان کیلئے برکت کی دعا کرتے اور گھٹی دیتے۔

عورتوں کے ساتھ رحمت

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ عورتوں کے بارے میں نرمی برتتے، ان کا خیال رکھنے اور اچھے گزر بسر کی وصیت کرتے۔ اور خود بھی اسی اصول پر کاربند رہتے لہٰذا آپ ﷺ سب سے بہترین شوہر، سب سے بہترین والد اور سب سے بہترین دادا ثابت ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل اگر جاہلی معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت انتہائی ظلم واستحصال کا شکار تھی۔ اہلِ جاہلیت نے اسے ستم درستم کا نشانہ بنایا ہوا تھا اگر ایسا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ارباب جاہلیت نے عورت کو جانور کا درجہ دے رکھا تھا۔ یا تو اسے پیدا ہوتے ہی مار دیتے، یا اپنے معبودوں کو خوش کرنے کیلئے اسے ذبح کر دیتے یا پھر ایک زندہ لاش بنا کر رکھتے۔ اس کی پیدائش کو اپنے لئے سخت منحوس خیال کرتے جس کا نقشہ قرآن مجید نے اس طرح کھینچا کہ ”

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ

---

[1] أخرجه مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك

[2] صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 497

مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ﴾(النحل:58،59)

ترجمہ:''ان میں سے جب کسی کولڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے،آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟

مگر قربان جائیں پیارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جب تشریف لائے تو انہوں نے عورت کو مقام دیا، اسے معاشرے کا بنیادی حصہ دار شمار کرایا اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے اس سے مشورہ کرنے اور اس کو فیصلہ کرنے کا حق دیا۔اور فرمایا:

«استوصوا بالنساء خيرا فإنهن خلقن من ضلع وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء »[1]

ترجمہ:''عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں جو ٹیڑھی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی اس لئے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔''

عورت اگر ماں کی شکل میں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

اور اگر بیوی کی شکل میں ہے تو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، نکاح میں جو انہیں دے دو واپس مت لو، تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہے۔نیز فرمایا:

«أكمل المومنين إيماناً أحسنهم خلقا وخياركم خياركم لنسائهم»[2]

تم میں مکمل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں، اور تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنی

---

[1] البخاري رقم: 5186 ومسلم :60/1466

[2] الترمذی رقم: 1162 وصححه

بیویوں کیلئے بہتر ہو۔''

حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے متعلق وصیت اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:''

«واستوصوا بالنساء خيرا فإنما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيا غير ذلك إلا أن يأتين بفاحشة مبينة فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ألا إن لكم على نسائكم حقا ولنسائكم عليكم حقا فأما حقكم على نسائكم فلا يوطن فرشكم من تكرهون ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن» قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح ومعنى قوله عوان عندكم يعني أسرى في أيديكم» [1]

ترجمہ:''خبردار میں تمہیں عورتوں کے حق میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اور تم ان پر اس کے علاوہ کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ ان سے صحبت کرو البتہ یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کی مرتکب ہوں تو انہیں اپنے بستر سے الگ کر دو اور ان کی معمولی پٹائی کرو پھر اگر وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو انہیں تکلیف پہنچانے کے راستے تلاش نہ کرو جان لو کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر اور ان کا تم پر حق ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو نہ بٹھائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔''

الغرض اس موضوع پر اہل علم نے ضخیم سے ضخیم تر کتب تصنیف فرمائی ہیں جس میں عورت کے غیر اسلامی معاشروں میں حقوق کیا ہیں اور اسلامی معاشرے میں کیا ہیں۔ ان سب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت ملکہ ہے۔ جب کہ جاہلیت قدیمہ میں ایک جانور اور جاہلیت جدیدہ میں آلہ انٹرٹیمنٹ اور آلہ ترویج بضاعت اس سے بڑھ کر کسی جاہلی معاشرے نے عورت کو مقام نہیں دیا۔

---

[1] جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1161

ہمارے پیارے نبی ﷺ گنہگاروں کیلئے رحمت

گناہ بنی بشر کا خاصہ ہے فرمان نبوی ﷺ ہے:

«كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ »[1]

ترجمہ ''تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور سب خطا کاروں میں بہتریں وہ ہیں جو تائب ہو جاتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت تھے لہٰذا گنہگار بھی اسی معاشرے کے افراد ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ جرم کے مرتکب کو اس کی متعین کردہ سزا دیتے لیکن آپ ان کی عزت نفس مجروح کرنے سے منع فرماتے ایک دفعہ ایک شراب پینے والے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جسے متعدد بارے نوشی پر سزادی جاچکی تھی۔ صحابہ نے دیکھا تو ایک شخص کہنے لگا:

اللهم العنه ما أكثر ما يؤتى به فقال النبي ﷺ:«لا تلعنوه فو الله ما علمت أنه يحب الله ورسوله »[2]

ترجمہ: ''اے اللہ اس پر تیری لعنت ہو، اس کو کتنی کثرت کے ساتھ بار بار شراب پینے کے جرم میں پکڑ کر لایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو اللہ کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔''

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کو مخصوص کر کے اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت قرب الٰہی کا سبب ہے لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھنے والے پر لعنت بھیجنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔

آپ ﷺ گنہگاروں کو سزا دیتے لیکن ان سے نفرت کرنے سے منع کرتے کیونکہ نفرت کرنے سے

---

[1] أخرجه ابن أبي شيبة: 187/13،وأحمد 198/3، والترمذي :2499،وابن ماجه :4251، والحاكم 272/4 وقال :صحيح الإسناد ولم يخرجاه، والبيهقي في شعب الإيمان: 420/5 ، والدارمي: 392/2 ، وأبو يعلى 301/5 وعبد بن حميد 360/1

[2] صحیح بخاری، جلد سوم: حدیث نمبر 1684

گنہگار میں بغاوت اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی ہے اور وہ سدھرنے کے بجائے مزید بگڑ جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گنہگاروں کو سمجھانے کیلئے بہت ہی نرمی، شفقت اور پُرحکمت رویہ اختیار کیا۔ اس کا اندازہ درجِ ذیل روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔ ابی امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''

«إن فتى شابًّا أتى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، ائذن لي بالزنا! فأقبل القوم عليه فزجروه، وقالوا: مه مه! فقال:(ادنه)،فدنا منه قريبًا، قال: فجلس، قال:(أتحبه لأمك؟)،قال:لا والله،جعلني الله فداءك، قال:(ولا الناس يحبونه لأمهاتهم)،قال:(أفتحبه لابنتك؟)،قال:لا والله يا رسول الله،جعلني الله فداءك،قال:(ولا الناس يحبونه لبناتهم)،قال:(أفتحبه لأختك)،قال:لاوالله، جعلني الله فداءك،قال:(ولا الناس يحبونه لأخواتهم)،قال:(أفتحبه لعمتك؟)،قال:لا والله،جعلني الله فداءك،قال:(ولا الناس يحبونه لعمّاتهم)،قال:(أفتحبه لخالتك)، قال:لا والله،جعلني الله فداءك، قال:(ولا الناس يحبونه لخالاتهم)،قال: فوضع يده عليه، وقال:(اللهم اغفر ذنبه،وطهر قلبه، وحصِّن فَرْجَه)، فلم يكن بعد- ذلك الفتى - يلتفت إلى شيء»۔ [1]

ترجمہ: ''ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول مجھے زنا کرنے کی اجازت دیں، لوگ اس کی طرف لپکے اور برا بھلا کہنے لگے اور کہنے لگے رک جاؤ رک جاؤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ کر وہ بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم اس پر راضی ہو گے کہ یہی کام تمہاری والدہ کے ساتھ کیا جائے!؟ تو وہ کہنے لگا میں آپ پر قربان جاؤں کبھی بھی نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح لوگ بھی یہ کام اپنی ماؤں کے ساتھ ہوتا ہوا پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہی کام

[1] رواه أحمد 5/ 256، وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة

تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا جائے؟ تو وہ کہنے لگا میں آپ پر قربان جاؤں کبھی بھی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح لوگ بھی یہ کام اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہوتا ہوا پسند نہیں کرتے۔ پھر اسی طرح آپ ﷺ نے اس سے بہن کے متعلق چاچی کے متعلق خالہ کے متعلق سوال کیا تو وہ وہی جواب دیتا رہا جو پہلے دیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا اور یہ دعا کی (اللهم اغفر ذنبه، وطهر قلبه، وحصِّن فَرْجَه)، اے اللہ اس کے گناہ کو معاف کر دے۔ اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کو (گناسے) محفوظ کر دے۔'' راوی فرماتے ہیں اس کے بعد سے وہ نوجوان کبھی بھی کسی غیر محرم کی طرف نظر نہیں کرتا تھا۔

اسی طرح ایک اور شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول میں کسی عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ تمام کاموں کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا ہمارے ساتھ نماز پڑھو پھر پوچھا نماز کے بعد کہ سائل کہاں ہے پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل کی ہے ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ﴾ ان کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لئے۔

آپ ﷺ نے شرعی طور پر جو گنہگاروں پر سزائیں متعین کی ہیں ان میں بھی ان کیلئے رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آخرت کی سزا سے محفوظ فرما دیا۔ الغرض آپ ﷺ کی رحمت ہر طبقے اور ہر فرد کیلئے تھی۔ اور اس کی مثالیں کہیں نہیں ملتی۔

جانوروں کے ساتھ رحمت وشفقت

رسول اللہ ﷺ جانوروں کو عذاب دینے انہیں بھوکا رکھنے اور استطاعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالنے سے منع فرماتے اس حوالے سے صحیح بخاری میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«أردفني رسول الله ﷺ خلفه ذات يوم، فدخل حائطًا (بستانًا) لرجل من الأنصار، فإذا فيه جمل، فلمَّا رأى النبيَّ ﷺ حنَّ وذرفت عيناه، فأتاه رسولُ الله ﷺ فمسح

ذِفْرَاه (أصل أذنه) فسكن، فقال:«مَنْ رَبُّ هَذَا الجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الجَمَلِ؟»،فجاء فتًى من الأنصار،فقال:هو لي يا رسول الله. فقال: « أَفَلا تَتَّقِي اللّٰه فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰه إِيَّاهَا؟ فَإِنَّهُ شَكَى إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ»[1]

’’ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے (اپنے خچر پر) اپنے ساتھ سوار کرایا اور ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر رونے کی سی آواز نکالنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے پس وہ پرسکون ہوگیا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ اور پکار کر پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے یہ سن کر ایک انصاری جوان بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اونٹ میرا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ تعالی سے نہیں ڈرتا جس کا تجھے اللہ نے مالک بنایا ہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور خدمت لینے میں تھکا دیتا ہے۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«اتَّقُوا اللّٰه فِي هذِهِ البَهَائِمِ المُعجَمَةِ، فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً، وَكُلُوهَا صَالِحَةً» [2]

’’ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور انہیں اچھی طرح ذبح کر کے کھاؤ۔‘‘ (یعنی انہیں ایسے ذبح کرو جس سے ان کو تکلیف نہ ہو)۔

ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو، کا مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا حال اپنے مالک سے بیان کرسکیں اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو اس میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا

---

[1] رواه أبو داود وأحمد وصححه الألباني.

[2] رواه أبو داود وصححه الألباني

چارہ پانی ان کے مالکوں پر واجب ہے۔

ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرالخ، کا مقصد گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلانا ہے کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی وکوتاہی نہ کروتا کہ یہ قوی اور سواری کے قابل رہیں نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو انکو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھا پی لیں اور ان میں توانائی آجائے تو اس کے بعد ان پر سواری یا بار برداری کرو کیونکہ اس طرح چوپائے فربہ ہوتے ہیں۔

الغرض جانوروں سے متعلق اگر آپ ﷺ کی دی گئی تعلیمات پر زریں عناویں قائم کئے جائیں تو وہ کچھ اس طرح ہوں گے۔

❁ جانوروں کے ساتھ اچھا اور احسان کا رویہ باعث اجر وثواب۔

❁ آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ بدسلوکی پر سخت ترین وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

❁ جانوروں کو لڑانے، چھیڑ خوانی کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

❁ مذبوح جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

❁ موذی جانوروں کو مارنے میں آپ ﷺ نے احسان کا حکم دیا ہے۔

❁ جانوروں کی سواری کرنے میں بھی حسن سلوک کا خیال رکھنے کی تعلیم دی ہے

❁ جانوروں پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع کیا۔

❁ ان تمام تعلیمات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ محض جن وانس کیلئے رحمت نہیں بلکہ حیوان وجماد کیلئے بھی سراپا رحمت تھے۔

شرعی عبادات میں امت پر آپ ﷺ کی رحمت ونرمی کے پہلو

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾(البقرۃ185)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی نہیں کرنا چاہتا۔‘‘

آپ ﷺ کی پوری زندگی جن میں عبادات سرفہرست ہیں اسی مندرجہ بالا آیت کا عملی نمونہ تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

«إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ،وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلاَّ غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا ، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ»۔[1]

''دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آجائے گا، پس تم لوگ میانہ روی کرو اور (اعتدال سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو۔''

آپ خود بھی عبادات میں تشدد اور سختی سے بچتے اور امت کو بھی اسی کی تلقین فرماتے۔ ایک موقع پر چند افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت سے متعلق دریافت کیا اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے سابقہ لاحقہ تمام گناہ بخش دئے ہیں اور ہم تو گنہگار ہیں لہٰذا ہمیں کچھ زیادہ ریاضت کرنی پڑے گی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ:

«جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إلى بُيُوتِ أزْوَاجِ النبيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ، يَسْأَلُونَ عن عِبَادَةِ النبيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأنَّهُمْ تَقَالُّوهَا،فقالوا: وأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النبيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ؟ قدْ غُفِرَ له ما تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِهِ وما تَأَخَّرَ، قالَ أحَدُهُمْ: أمَّا أنَا فإنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أبَدًا، وقالَ آخَرُ: أنَا أصُومُ الدَّهْرَ ولَا أُفْطِرُ، وقالَ آخَرُ: أنَا أعْتَزِلُ النِّسَاءَ فلا أتَزَوَّجُ أبَدًا، فَجَاءَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ إليهِم، فَقالَ: أنْتُمُ الَّذِينَ قُلتُمْ كَذَا وكَذَا، أما واللَّهِ إنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وأَتْقَاكُمْ له، لَكِنِّي أصُومُ وأُفْطِرُ، وأُصَلِّي وأَرْقُدُ، وأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فمَن رَغِبَ عن سُنَّتي فليسَ مِنِّي»[2]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں تین آدمی آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئے، جب ان سے بیان کیا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت بہت کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کی برابری کس طرح

---

[1] رواه البخاري :39، ومسلم:2816

[2] صحيح البخارى الصفحة أو الرقم: 5063

کر سکتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے ہیں، ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا اور عورت سے ہمیشہ الگ رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ساتھ ساتھ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔''

اس روایت سے واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ایسی عبادت کے ارادے پر غم وغصہ کا اظہار فرمایا جس میں مشقت اور تکلیف تھی۔ اور انہیں عبادت کے ساتھ آرام کرنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ وقت گذارنے اور دنیاوی ملاذ کو استعمال کرنے کا حکم فرمایا۔ اور آخر میں واضح اعلان فرما دیا کہ جو ایسا نہیں کرے گا وہ میرے راستے سے بھٹک جائے گا۔

نمازوں سے متعلق آپ کی رحمت وشفقت

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے فرماتے ہیں

«دَخَلَ النبيُّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقالَ: ما هذا الحَبْلُ؟ قالوا: هذا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقالَ النبيُّ ﷺ: لا حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ»[1]

''ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان رسی کھنچی ہوئی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ زینب کی رسی ہے۔ جب وہ تکان محسوس کرتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اسے کھول دو تم میں سے ہر شخص اپنی خوشی کے

[1] صحیح البخاري الرقم: 1150

ساتھ نماز پڑھے جب سستی معلوم ہوتو بیٹھ جائے۔‘‘

ایک مرتبہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور کافی طویل پڑھائی۔ایک شخص نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا:

«يا معاذ أفتان أنت أفتان أنت اقرأ بكذا اقرأ بكذا قال أبو الزبيرب(سبح اسم ربك الأعلى)(والليل إذا يغشى)وفي رواية : يا معاذ لا تكن فتانا فإنه يصلي وراءك الكبير والضعيف وذو الحاجة۔»[1]

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اے معاذ تو فتنہ برپا کرنے والا ہے (اگر ایسا نہیں ہے) تو تو نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى اور وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھ لی کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے اور کمزور اور صاحب حاجت (سب ہی طرح کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں۔‘‘

اسی طرح مسافر کو قصر وجمع کی رخصت دی ،قتال کے وقت صلاۃ الخوف کی اجازت دی بارش کے باعث نماز جمع کرنے کی اجازت دی۔ پھر اگر کوئی نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا اسے حکم دیا کہ بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو پہلو پر لیٹ کر پڑھ لے اور اگر پہلو پر بھی نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھ لے۔ یہ سب رعایتیں اور رخصتین عظیم رحمت کا مظہر ہیں۔

روزے کے معاملات میں رحمت: نماز کی طرح روزوں کا معاملہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سحری کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

«تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً»[2]

’’سحری کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔‘‘

سحری کو مؤخر کرنے کا حکم دیا یعنی آخری وقت میں کرنے کا کہا اور افطاری جلد یعنی اول وقت میں کرنے

---

[1] صحيح البخاري، جلد اوّل، حديث : 668

[2] رواه البخاري :1923، ومسلم:1095

کا حکم دیا چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

«لا يزال الناس بخير ما عجّلوا الفطر، وأخروا السحور» [1]

''اس وقت تک لوگ خیر میں رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کریں اور سحری کو لیٹ کریں۔''

الغرض جو عبادت بھی لے لیں اللہ تعالیٰ نے اس میں رحمت ہی رحمت رکھی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات بشمول فرائض وسنن ومستحبات رحمت ہی رحمت ہیں،انھی پر عمل پیرا ہونے میں انسان کی حفاظت، رفعت، اور عزت ہے۔اور اس سے انحراف میں بدامنی، بےچینی، پریشانی، رسوائی اور ذلت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے:

«جُعِلَ الذُّلُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي» [2]

''جس نے میرے حکم کی مخالفت کی ذلت اور رسوائی اس کا مقدر ہے۔''

یہی رحمت تو ہے کہ غیر مسلم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تاریخ میں اگر عظمت کی مستحق کوئی شخصیت ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

[1] صحيح البخاري: 3 /47

[2] مسند احمد: 92/2

خُلقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [1]

قاضی محمد سلیمان منصورپوری رحمہ اللہ

جو واقعات لکھے جا چکے ہیں ان سے مختصر طور پر ان مشکلات کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، جن کا سامنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت کے اظہار، اپنی تعلیم کی اشاعت اور اس تعلیم کے قبول کرنے والوں کی حفاظت میں کرنا پڑا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی حکومت اور قانون نہ ہو۔ جہاں خونریزی قتل عام معمولی بات ہو، جہاں کے باشندے وحشت اور غارت گری میں درندوں کے مشابہ اور جہالت، لایعقلی انعام (جانوروں) میں سے بدتر ہوں۔ ایک ایسے دعویٰ کا پیش کرنا جو تمام ملک کے نزدیک عجیب اور جملہ قبائل میں مخالفت کی فوری آگ لگا دینے والا ہو، کچھ آسان نہ تھا۔ پھر اس دعویٰ کا ایسی حالت میں سرسبز ہونا کہ کروڑوں اشخاص کی انتہائی مخالفت اس کے ملیامیٹ کرنے پر دل سے جان سے، زر سے مال سے، سالہا سال متفق رہی ہو۔ بالکل تائید ربانی کا ثبوت ہے۔

گزشتہ واقعات کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق ومحاسن، صفات ومحامد کی چمک ایسی نمایاں ہے۔ جیسی ریت میں کندن اور ان واقعات ہی سے یہ پتہ لگتا ہے کہ مظلومی و بیچارگی اور قوت وسطوت کی متضاد حالتوں میں یکساں سادگی وغربت کے ساتھ زندگی پوری کرنے والا، صرف وہی ہوسکتا ہے جس کے دل پر ناموسِ الٰہی نے قبضہ کر لیا ہو اور اسے علائق دنیوی سے پاک کر دیا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مبارک واقعات ہر ملک اور طبقہ کے فرد اور جماعتوں کے لیے بہترین نمونہ اور مثال ہیں۔ اس بات کے تحت، میں مختصر طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا جو ﴿علمني ربي فأحسن تأديبي﴾ کے مصداق ہیں، ذکر کروں گا۔

---

[1] مذکورہ مضمون مؤلف کی سیرت پر مشہور کتاب ''رحمة للعالمین'' سے ماخوذ ہے

''خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایسا لفظ ہے کہ اب بہترین بزرگوں کے عادات واخلاق۔اطوار وشمائل کے اظہار کے لیے مشبہ بہ (تمثیل) بن گیا ہے۔

میں اس جگہ کمالاتِ نبوت اور خصوصیات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں کروں گا۔صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں۔جن کو کوئی سعادت مند ازلی اپنے لیے نمونہ بنا سکتا ہے۔﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾(الاحزاب:21)''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ موجود ہے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اُمّی) تھے،لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور بعثت ونبوت کے زمانے تک کسی عالم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی۔

تیر افگنی،شہسواری،نیزہ بازی،سجع گوئی،قصیدہ خوانی،نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے، جنہیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصولِ شہرت وعزت کے لیے ضرور سیکھ لیا کرتا تھا اور جن کے بغیر کوئی شخص ملک اور قوم میں عزت یا کوئی امتیاز حاصل نہ کرسکتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فنون میں سے کسی کو بھی (اکتساباً) حاصل نہ کیا تھا اور نہ کسی پر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ رو،ملنسار،اکثر خاموش رہنے والے،بکثرت ذکر کرنے والے،لغویات سے دور،بیہودہ پن سے نفور،بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔غربا میں رہ کر خوش ہوتے،کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے۔جاہلوں کی حرکات پر صبر کیا کرتے،کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے،جب تک کہ وہی نہ چلا جائے۔صحابہ رضی اللہ عنہم سے کمال محبت فرمایا کرتے۔سفید زمین پر (بلا کسی مسند وفرش کے) نشست فرمایا کرتے،اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے۔[1] دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔''[2]

---

[1] خلاصہ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو،ص:42

[2] شفا عیاض،ص:312

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے، اونٹ کو باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری کا دودھ دوھ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے، خود اسے اٹھا لیتے، ہر ادنیٰ و اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام پہلے کیا کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کر چلا کرتے۔ غلام و آقا، حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لیے کہتا، قبول فرما لیتے، جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا اسے برغبت کھاتے، رات کے کھانے میں سے صبح کے لیے صبح کے کھانے میں شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے، مگر (کھل کھلا کر) ہنستے نہ تھے، اندوہگیں تھے، مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع، جس میں دنایت نہ تھی۔ باہیبت، جس میں درشتی نہ تھی، سخی تھے، مگر اسراف نہ تھا۔ ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے۔ سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔''[1]

حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یکبارگی آ جاتا، وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آ بیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔[2]

کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خدمت کی، اس عرصہ میں انہیں کبھی اف (ہونھ) تک نہ کہا۔ زبان مبارک پر کبھی گوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی۔ نہ کسی پر لعنت کیا کرتے تھے، دوسرے کی اذیت و آزار پر نہایت صبر کیا کرتے، خلقِ خدا پر نہایت رحمت فرماتے، ہاتھ یا زبان مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی بادشاہت کی جانب ہمیشہ نظر لگائے

---

[1] کیمیائے سعادت، مصنفہ امام غزالی (المتوفی 505ھ) ص: 280، مطبوعہ نول کشور 1882ء

[2] یہ فقرہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام کا ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں: ((من رآه بديهة هابه، ومن خالطه محبة عشقه))

رکھتے تھے۔[1]

صحیح بخاری میں ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطیع کو بشارت پہنچاتے۔عاصی کو ڈرسناتے،بے خبروں کو پناہ دیتے خدا کے بندہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے۔نہ درشت خو،نہ سخت گو،چیخ کر نہ بولتے،بدی کا بدلہ ویسا نہ لیتے،معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے۔گنہگار کو بخش دیتے۔ان کا کام کجی ہائے مذاہب کو درست کردینا ہے۔ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں،بہروں کو کان دیتی،غافل دلوں کے پردے اٹھادیتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک خوبی سے آراستہ،جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف،سکینہ ان کا لباس،نکوئی ان کا اشعار،تقویٰ ان کا ضمیر،حکمت ان کا کلام،عدل ان کی سیرت ہے۔ان کی شریعت سراپا راستی،ان کی ملت اسلام،ہدایت ان کی رہنما ہے۔وہ ضلالت کو اٹھادینے والے،گمناموں کو رفعت بخشنے والے مجہولوں کو نامور کردینے والے،قلت کو کثرت اور تنگ دستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔[2]

[1] حجة الله البالغة،ص:385

[2] یسعیاہ نبی کی کتاب کا 42 باب،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہے۔اس باب کے مندرجہ ذیل درس ناظرین اس جگہ ملاحظہ کریں۔''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا،میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی،وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔(2) وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا،وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا،وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے۔(4) اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا۔جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔(5) خداوند جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا جو زمین کو اور انہیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں،سانس دیتا اور ان کو اس پر چلتے ہیں،روح بخشتا۔یوں فرماتا ہے۔میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا۔میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا (5) کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑا دے۔''تمام باب ملاحظہ طلب ہے۔پادری ان الفاظ کو مسیح کے لیے کہتے ہیں لیکن یہ الفاظ تو اس کے حق میں ہے۔جسے خدا کہتا ہے''میرا بندہ''اور پادریوں کو انکار ہے اور اقرار نہیں کہ مسیح خدا کا بندہ تھا مع ہذا درس 11 میں بیابان عرب کا ذکر ہے اور قیدار کا نام موجود ہے،جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا کا نام ہے۔نیز سلع کا ذکر ہے جو مدینہ طیبہ کا قدیم نام ہے اور مدینہ کے اندر جو پہاڑی ہے وہ اب تک اسی نام سے موسوم ہے درس 13 میں اسی موعود کا جنگی مرد ہونا بیان کیا گیا ہے۔درس 17 میں ذکر ہے کہ بت پرستوں کو اس سے ذلت و پشیمانی حاصل ہوگی وغیرہ۔یہ جملہ علامات ایسی ہیں جو مسیح علیہ السلام پر صادق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خصوصیت رکھتی ہیں۔کعب احبار رضی اللہ عنہ اس مقام کو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی بتایا کرتے تھے۔

سکوت اور کلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ بلاضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے۔ کلام میں آوُد (تلخی) ذرا نہ تھی۔ گفتگو ایسی دلآویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل وروح پر قبضہ کر لیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وصف ایسا مسلمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے اور جاہل دشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھا کرتے۔ سلسلہ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا جس میں لفظاً و معناً کوئی خلل نہ ہوتا۔ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔ [1]

ہنسنا رونا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کھل کر ہنسنا پسند نہ کرتے تھے تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا۔
نماز تہجد میں بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑا کرتے۔
کبھی کسی مخلص کے مرنے پر آبدیدہ ہو جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ دودھ پیتے میں گزر گئے تھے۔ جب انہیں قبر میں رکھا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا:

«تَدْمَعُ اَلْعَيْنُ وَ يَحْزَنُ اَلْقَلْبُ وَ لاَ نَقُولُ إِلاَّ مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَ إِنَّا عليكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ»

”آنکھوں میں نم ہے، دل میں غم ہے، پھر بھی ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار کو پسندیدہ ہے۔ ابراہیم! ہم کو تیری وجہ سے رنج ہوا۔“

ایک دفعہ اپنی نواسی سانس توڑتی (دختر زینب) کو گود میں اٹھایا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا؟ فرمایا: یہ وہ رحم دلی ہے، جو خدا اپنے بندوں کے دلوں میں بھر دیتا ہے اور اللہ بھی اپنے انہیں بندوں پر رحم کرے گا جو رحم دل ہیں۔ [2]

ایک دفعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید سنا رہے تھے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے۔

---

[1] زاد المعاد، جلد:1، ص:47

[2] بخاری عن اسامه بن زیدرضی الله عنه، کتاب الایمان والنذور

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾(النساء:41)
’’تب کیسی ہوگی جب ہرایک امت پر خدا ایک ایک گواہ کھڑا کرے گا اور آپ کو ہم سب امتوں پر شہادت کے لیے کھڑا کریں گے۔‘‘
فرمایا: بس! ٹھہرو! ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ [1]

غذا کے متعلق ہدایات

رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔ [2] کھانا کھاتے ہی سوجانے سے منع فرمایا کرتے۔ [3] تقلیلِ غذا کی رغبت دلایا کرتے۔ فرمایا کرتے معدہ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے ایک تہائی حصہ پانی کے لیے، ایک تہائی حصہ خود معدہ (سانس) کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ [4]
پھلوں، ترکاریوں کا استعمال ان کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔ [5]

مرض اور مریض

متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے، بیمار کو طبیب حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے۔ [6] اور پرہیز کرنے کا حکم دیتے۔ [7]

---

[1] البخاری، کتاب التفسیر، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

[2] زادالمعاد، جلد:2، ص:78

[3] زادالمعاد، جلد:2، ص:87

[4] زادالمعاد، جلد:2، ص:7

[5] زادالمعاد، جلد:2، ص:35

[6] زادالمعاد، جلد:2، ص:50۔ بہ تمسک حدیث صحیح مسلم، عن جابر عن عبداللہ وصحیح بخاری۔ من حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ وصحیحین عن حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ واضح ہو کہ ترمذی کی حدیث (أخذ بید مجذوم) کی بابت ابن القیم کہتے ہیں کہ اس سے صحت ثابت نہیں ہوتی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (لاعدوی ولا طیرة) صحیح مسلم میں ہے مگر خود ابوہریرہ کو اس حدیث کی بابت چک سا ہو گیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔ افادات ابن القیم رحمہ اللہ

[7] زادالمعاد، جلد:2، ص:46

طبیب نادان

نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے۔[1]
حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنے سے منع فرماتے۔
ارشاد فرماتے اللہ نے حرام چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی۔[2]

عیادت بیماراں

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا، اس کی عیادت فرمایا کرتے، عیادت کے وقت مریض کے قریب بیٹھ جاتے۔ بیمار کو تسلی دیتے۔ لاباس طهور (یا کفارة) ان شاء اللّٰہ فرمایا کرتے۔ مریض کو پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے اگر وہ شئے اس کو مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کر دیا کرتے۔ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اس کی عیادت کو بھی تشریف لے گئے۔[3]

علاج

حالت مرض میں دوا کا استعمال خود فرمایا اور لوگوں کو بھی علاج کرنے کا ارشاد فرماتے۔

«يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ عزّوجل لَمْ يَضَعْ دَاءً إلا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، غير دَاءٍ وَاحِدٍا قَالُوا، وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ »[4]

''اے بندگان خدا دوا کیا کرو، کیونکہ خدا نے ہر مرض کی شفا مقرر کی ہے۔ بجز ایک مرض کے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: کھوسٹ (بڑھاپا)۔''

خطبہ خوانی

زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ فرمایا کرتے۔ جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام

---

[1] (بخاری عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ کتاب الایمان والنذور) زادالمعاد، جلد:2،ص:35

[2] زادالمعاد، جلد:2،ص:47

[3] زادالمعاد، جلد:2،ص:53،بحوالہ بخاری عن ابن مسعودرضی اللہ عنہ

[4] زادالمعاد، جلد:2،ص:5، بحوالہ مسند امام احمد (المتوفی 241ھ)

استغفار پر ہوا کرتا۔قرآن مجید اس خطبہ میں ضرور ہوتا اور قواعد اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی۔

﴿وكان يخطُب في كل وقت بما تقتضيه حاجةُ المخاطَبين ومصلحتهم﴾[1]

''خطبہ میں وہ باتیں ضرور بیان کی جاتی تھیں جن کی سر دست ضرورت ہوتی اور وقت کے اعتبار سے خطبہ میں سب کچھ بیان ہوا کرتا۔''

ایسے خطبات جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ ہوتے، بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا تب ہی لوگوں کو کلام پاک سے مستفید فرمایا کرتے تھے۔

خطبہ کے وقت ہاتھ میں کبھی عصا،کبھی کمان،ان پر اثنائے تقریر میں ٹیک بھی لگالیا کرتے تھے۔خطبہ کے وقت تلوار کبھی ہاتھ میں نہ ہوتی تھی۔نہ اس پر ٹیک لگایا کرتے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں ''جاہلوں کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تلوار لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔گویا اشارہ یہ تھا کہ دین بزور شمشیر قائم کیا گیا ہے۔'' علامہ موصوف فرماتے ہیں جاہلوں کا یہ قول غلط ہے۔

1. تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔
2. خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ بذریعہ قرآن فتح ہوا تھا نہ کہ بذریعہ شمشیر، پھر علامہ موصوف یہ فرماتے ہیں کہ دین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔[2]

صدقہ و ہدیہ

صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ کرتے۔البتہ ہدیہ قبول فرماتے:

مخلصین صحابہ رضی اللہ عنہم نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفۃً بھیجتے انہیں قبول فرمالیتے۔ان کے لیے خود بھی تحفے ارسال فرماتے۔مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

مقوقس متی شاہ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری فرمائی اور جنگ حنین کے دن وہی خچر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری میں تھا۔لیکن عامر بن مالک کے بھیجے ہوئے گھوڑے کو قبول کرنے سے انکار

---

[1] زادالمعاد، جلد:1،ص:49

[2] زادالمعاد، جلد:1،ص:49

فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔[1]

جو قیمتی تحائف آنحضرت کے پاس آیا کرتے۔ اکثر اوقات انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا کرتے۔

اپنی تعریف (تخیر بین الانبیاء سے ممانعت)

اپنی ایسی تعریف جس سے دوسرے نبی کی کمی نکلتی پسند نہ فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے:

«لا تخير وا بين الأنبياء»[2] ''نبیوں کے ذکر میں ایسی طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔''

ایک بیاہ میں تشریف لے گئے، وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کے تاریخی کارنامے گا رہی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی گایا کہ ''ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو کل (فروا) کی بات آج بتا دیتا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کہو۔[3] جو پہلے کہتی تھیں وہی کہے جاؤ۔

اظہار حقیقت یا خوش عقیدہ پن کی اصلاح

سیدنا ابراہیم فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا، اسی روز سورج گرہن بھی ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج بھی گہنا یا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنا یا کرتے۔[4]

مصلحت عامہ کا لحاظ

جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی تو انہوں نے کچھ تو عمارت ابراہیمی میں اندر کی جگہ

---

[1] زادالمعاد، جلد:1،ص:161

[2] بخاری عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

[3] صحیح بخاری عن ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہ

[4] بخاری عن مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ

باہر چھوڑ دی۔ پھر کرسی اتنی اونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے اور بیت اللہ میں دروازہ بھی صرف ایک ہی رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

﴿ولا أن قومك حديث عهدهم بكفر لنقضت الكعبة فجعلت لها با بين باب يدخل الناس و باب يخرجون منه﴾[1]

''قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں ورنہ میں اس عمارت کو گرا دیتا۔ کعبہ میں دو دروازے رکھتا، ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔''

2 جب منافقین کی شر انگیز افعال و حرکات حد سے بڑھ گئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں (بے خبر لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا۔)

بشریت و رسالت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان احکام کو جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے، ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت ثابت ہوتے ہیں ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی فرماتے۔

1 ایک دفعہ فرمایا میں بشر ہوں۔ میرے سامنے تنازعات پیش ہوتے ہیں، کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہتر طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ جس سے گمان ہو جاتا ہے کہ وہ سچا ہے۔ اور میں اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ یہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے اب خواہ لے خواہ چھوڑ دے۔[2]

2 بریرہ رضی اللہ عنہا لونڈی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغیث اس کے شوہر کی سفارش کی جس سے وہ بوجہ آزادی (حریت) علیحدہ ہو چکی تھی۔ بریرہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ حکم دے رہے ہیں۔

---

[1] بخاری عن ابن زبیر عن عائشہ رضی اللہ عنہا امام بخاری نے اس حدیث کا باب ان الفاظ میں لکھا ہے۔ باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر بعض الناس۔ ''یہ باب کتاب العلم میں ہے۔''

[2] بخاری عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا، کتاب المظالم

فرمایانہیں میں سفارش کرتا ہوں۔وہ بولی مجھے مغیث کی حاجت نہیں۔[1]

اہل مدینہ نر کھجور کا بور (پیوند) مادہ کھجور پر ڈالا کرتے تھے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے۔اہل مدینہ نے یہ عمل چھوڑ دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ پھل درختوں پر کم لگا۔لوگوں نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی۔فرمایا: دنیا کے کام تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔جب میں کوئی کام دین کا بتایا کروں تو اس کی پیروی کیا کرو۔(مشکوٰۃ)

بچوں پر شفقت

بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو خود السلام علیکم کہا کرتے۔[2] ان کے سر پر ہاتھ رکھتے انہیں گود میں اٹھالیتے۔

بوڑھوں پر عنایت

فتح مکہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے،ضعیف، فاقد البصر باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کرانے کے لیے لائے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔

ارباب فضل کی قدر ومنزلت

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو خندق میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔یہودیان بنو قریظہ نے اپنا حکم اور منصف تسلیم کر کے بلایا تھا۔جب وہ مسجد تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے جو قبیلہ اوس کے تھے فرمایا:

«قوموا إلیٰ سید کم»

1. اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ‘‘ لوگ گئے ان کو آگے بڑھ کر لے آئے۔
2. حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی تائید اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کر کے لاتے تو ان کے لیے

---

[1] بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ،کتاب الطلاق

[2] بخاری عن انس رضی اللہ عنہ کتاب الاستیذان

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منبر رکھ دیا جاتا جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

خادم کے لیے دعا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ دس سال تک مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی اس عرصہ میں کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں نہ کیا اور ایک روز ان کے حق میں دعا فرمائی۔

«اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ»[1]

''الٰہی اسے مال بھی دے اور اولاد بھی بہت دے اور جو کچھ اسے عطا کیا جائے اس میں برکت بھی دے۔''

ادب و تواضع

1 مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔ 2 جو کوئی مل جاتا اسے سلام پہلے خود کر دیتے۔

3 مصافحہ کے لیے خود پہلے ہاتھ پھیلا دیتے۔ 4 صحابہ کو کنیت کے نام سے پکارتے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی طریق ہے)۔ 5 کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔

6 اگر نماز میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آ بیٹھتا، تو نماز کو مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت پوری کر دینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہوتے۔ 7 اکثر متبسم رہتے۔[2]

8 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ناقہ کا نام عضباء تھا۔ کوئی جانور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا اور عضباء سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو یہ بہت ہی شاق گزرا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«إن حقا على الله عزوجل أن لا يرفع شيئاً من هذه الدنيا إلا وضعه»[3]

''دنیا میں خدا کی سنت یہی ہے کہ کسی کو اٹھاتا ہے تو اسے نیچا بھی دکھاتا ہے۔''

9 ایک شخص آیا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو «يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ» (برترین خلق) کہہ کر بلایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] بخاری عن انس، کتاب الدعوات

[2] ماخوذ از شفاء، ص:45

[3] صحیح البخاری

نے فرمایا:((ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ))۔''یہ شان تو ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔[1]

10 ایک شخص حاضر ہوا وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت سے لرز گیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((هَوِّنْ عَلَيْكَ فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِك إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِن قُرَيْش تأكُلُ القَدِيدَ))[2]

''کچھ پرواہ نہ کرو، میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''

شفقت ورافت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے:

1 کوئی شخص بھی اچھے خلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نہ تھا، خواہ کوئی صحابی بلاتا یا گھر کا کوئی شخص، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں لبیک (حاضر) ہی فرمایا کرتے۔[3]

2 عبادت نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے۔ تاکہ امت پر اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو۔

3 جب کسی معاملے میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔[4]

4 اللہ پاک کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جس کسی شخص کو میں گالی دوں یا لعنت کروں۔ وہ گالی اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ، رحمت وبخشش اور قرب کا ذریعہ بنادی جائے۔

5 فرمایا ایک دوسرے کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو، میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے سینہ صاف جاؤں۔[5]

6 وعظ ونصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے، تاکہ لوگ اکتانہ جائیں۔[6]

---

[1] صحیح البخاری

[2] صحیح البخاری، غربا خشک کھجور کھایا کرتے تھے۔

[3] شفاء، ص:53

[4] صحیح بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہا

[5] شفاء، ص:55

[6] صحیح بخاری عن ابن مسعودرضی اللہ عنہ

7 ایک بار سورج گرہن ہوا، نمازِ کسوف میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے تھے اور دعا میں فرماتے تھے:

«رب ألم تعدني ألا تعذبهم وأنا فيهم وهم يستغفرون ونحن نستغفرك»[1]

''اے پروردگار تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو (بہر دو صورت) عذاب نہ دیا جائے گا۔ جب تک میں ان کے درمیان موجود ہوں۔ جب تک یہ استغفار کرتے رہیں، اب اے خدا میں موجود ہوں اور سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔''

«لكل نبي دعوة يدعو بها فاستجيب لها فجعلت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيٰمة»[2]

''ہر ایک نبی کے لیے ایک ایک دعا تھی وہ مانگتے رہے اور دعا قبول ہوتی رہی میں نے اپنی پوری دعا کو اپنی امت کی شفاعت روزِ قیامت کے لیے محفوظ رکھا ہے۔''

عدل و رحم

اگر دو اشخاص کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے اگر کسی شخص کا نفس مبارک کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

1 فاطمہ نامی ایک عورت نے مکہ میں چوری کی لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پیارے تھے، فرمایا کیا تم حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو، سنو! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔[3]

2 سواد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ورس کا ایک رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حُط حُط فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو قصاص لوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھٹ سے اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔[4]

---

[1] زادالمعاد جلد،1ص:49

[2] صحیح بخاری عن انس رضی اللہ عنہ کتاب الدعوات

[3] صحیح بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہا،کتاب الحدود

[4] شفاء قاضی عیاض ،ص:31 (سلسلة صحيحة:2835)

اعداء پر رحم

1 مکہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک لوگوں نے مرداراور ہڈیاں تک کھانی شروع کردیں۔ابوسفیان بن حرب (ان دنوں دشمن غالی تھا۔) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لوگوں کو صلہ رحم (حسن سلوک باقرابتداراں) کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔دیکھیے آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے۔خدا سے دعا کیجیے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعافرمائی اور خوب بارش ہوئی۔

2 ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کردیا۔اس لیے کہ اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

3 حدیبیہ کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نمازِ صبح پڑھ رہے تھے ستر اسی آدمی چپکے سے کوہ تنعیم سے اترے تاکہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کردیں۔یہ سب گرفتار ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلاکسی فدیہ یا سزا کے آزاد فرمادیا۔[1]

جود و کرم

1 سائل کو کبھی رد نہ فرماتے، زبانِ مبارک پر حرف انکار نہ لاتے اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا تو وسائل سے عذر کرتے، گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔

2 ایک شخص نے آکر سوال کیا۔فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو، میں پھر اسے اتار دوں گا۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چُپ سے کر گئے ایک انصاری نے پاس سے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دیجیے۔رب العرش مالک ہے تنگ دستی کا کیا ڈر ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے، چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار آشکار ہوگئے۔فرمایا: ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری عن ابن مسعود باب اذااستشفع المشرکون

[2] شفاء، ص50 بحوالہ شمائل ترمذی(مختصر الشمائل بتحقیق الألبانی: 305 ضعیف)

3 ایک بار ایک سائل کو آدھا وسق غلہ قرض لے کر دلایا۔ قرض خواہ تقاضا کے لیے آیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے وسق غلہ دے دو، آدھا تو قرض کا ہے آدھا ہماری طرف سے جود وسخا کا ہے۔[1]

4 فرمایا کرتے، اگر کوئی شخص مقروض مرجائے اور باقی مال نہ چھوڑے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ وارثوں کا حق ہے۔[2]

شرم وحیا

1 ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حیا تھی۔[3] جب کوئی ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی جاتی، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کراہت ہوتی، تو چہرہ مبارک سے فوراً معلوم ہوجاتا تھا۔

2 سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص کی حرکت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے بلکہ عام الفاظ میں اس حرکت وفعل کی نہی فرمادیتے۔[4]

3 عادات ومعاملات میں اپنی جان پر تکلیف اٹھالیتے مگر دوسرے شخص کو ازراہِ شرم کام کرنے کو نہ فرماتے۔

4 جب کوئی عذرخواہ سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرم سے گردن مبارک جھکالیتے۔

5 عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت کو برہنہ کبھی نہیں دیکھا۔[5]

صبر وحلم

1 زید بن سعنہ ایک یہودی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا قرض دینا تھا۔ وہ ایک روز آیا آتے ہی چادر

---

[1] عن ابی ہریرہ، شفاء، ص:51

[2] عن ابی ہریرہ، صحیح البخاری کتاب الفرائض

[3] صحیح البخاری عن ابی سعید

[4] شفاء، ص52، رواہ ابو داؤد

[5] ترمذی فی الشمائل وشفاء ص:52 (سنن ابن ماجۃ:662، ضعیف)

آپ کے شانہ سے اتار لی۔ جسم کے کپڑے پکڑ لیے اور ڈرانے لگا کہ عبدالمطلب والے بڑے نادہندہ ہوتے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے، فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حسن ادائیگی کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے۔ پھر زید رضی اللہ عنہ کی جانب حضور مخاطب ہوئے۔ فرمایا: ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا قرض ادا کردو، بیس صاع زیادہ بھی دینا کہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا۔[1]

1 ایک اعرابی آیا، اس نے زور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کو جو موٹے کنارے کی تھی، جھٹکا دیا وہ کنارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن میں گڑ گیا اور نشان پڑ گیا۔ اعرابی نے اب زبان سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ مالِ خدا جو تمہارے پاس ہے، وہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ اس میں سے ایک بارشتر مجھے بھی دلاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا خاموشی کے بعد فرمایا: مال بیشک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں، بالآخر حکم فرمایا: کہ ایک بارشتر جو اور بارشتر کھجوریں اسے دی جائیں۔[2]

3 طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیچڑ پھینکی، آوازیں لگائیں، اتنے پتھر مارے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہو سے تر بہ تر اور بیہوش ہو گئے، پھر بھی یہی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا، کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔

عفوورحم

1 عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا۔[3]

2 جنگ احد میں کافروں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت توڑے، سر پھوڑا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غار میں بھی گر گئے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ان پر بددعا فرمایئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں

---

[1] شفاء عیاض، ص48۔ رواہ البیہقی۔ اس کے بعد زید مسلمان ہو گیا۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ :1341)

[2] صحیحین عن انس وشفاء، ص:48

[3] صحیح البخاری

بنایا گیا۔خدا نے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔اس کے بعد یہ دعا فرمائی: ”اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما۔وہ (مجھے) نہیں جانتے ہیں۔“[1]

3 ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے،تلوار شاخ سے آویزاں کردی،غورث بن الحراث آیا،تلوار نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گستاخانہ جگایا،بولا،اب تم کو کون بچائے گا۔فرمایا: اللہ! وہ چکر کھا کر گر پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھالی،فرمایا: اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔وہ حیران ہوگیا۔فرمایا،جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔[2]

4 ہبار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مارا،وہ ہودج سے نیچے گر گئیں اور حمل ساقط ہوگیا اور بالآخر یہی صدمہ ان کی موت کا باعث ہوا۔ہبار نے عفو کی التجا کی اور اسے معاف فرمایا۔[3]

5 فرمایا زمانہ جاہلیت سے لے کر جن باتوں پر قبائل میں باہمی جنگ وجدل چلا آتا ہے۔میں سب کو معدوم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعویٰ اور اپنے چچا کی رقوم قرضہ کو معاف کرتا ہوں۔[4]

صدق وامانت

1 جانی دشمن بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اوصاف کے قائل تھے۔صادق وامین،بچپن ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب پڑ گیا تھا۔انہی اوصاف کی وجہ سے قبل از نبوت بھی لوگ اپنے مقدمات کو انفصال کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے۔[5]

2 ایک روز ابوجہل نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا۔لیکن تیری تعلیم پر میرا دل ہی نہیں ٹھہرتا۔[6]

---

[1] شفاء،عیاض،ص:47

[2] صحیح البخاری،باب غزوہ ذات الرقاع وشفاء

[3] ص،47دیکھو بیان فتح مکہ

[4] صحیح البخاری خطبہ نبوی بروز فتح مکہ

[5] شفاء،عیاض،ص:47

[6] شفاء،ص:59

3 شب ہجرت کو کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا مشورہ اور اتفاق کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیارے چچیرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو اس کے لیے پیچھے چھوڑا کہ ان کی امانتوں کو ادا کر کے آنا۔

عفت و عصمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، ایام جاہلیت رسموں میں سے کبھی کسی میں بھی حصہ نہیں لیا۔ صرف دو دفعہ ارداہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بچا لیا، دس برس سے کم عمر تھی۔ میں نے اس چرواہے کو جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا، کہا: اگر تم میری بکریاں سنبھالے رکھو تو میں مکہ (آبادی کے اندر) جاؤں۔ جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے سنتے ہیں، میں بھی کہانیاں کہوں سنوں۔ اس ارادہ سے میں شہر کو آیا۔ پہلے ہی گھر پہنچا تھا وہاں دف و مزامیر بج رہے تھے اس گھر میں بیاہ تھا میں انہیں دیکھنے لگا۔ نیند نے غلبہ کیا۔ میں سو گیا، جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی، ایک پھر ایسی ہی نیت سے آیا تھا۔ اسی طرح نیند آ گئی اور وقت گزر گیا ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہات جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا۔[1]

عہد نبوت سے پہلے کا ذکر ہے زید بن عمرو بن نفیل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی، دسترخوان پر گوشت بھی آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« إِنِّي لاَ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ ، وَلاَ آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ »[2]

''میں وہ گوشت نہیں کھاتا جو بتوں یا استھانوں کی قربانی کا ہو، میں تو صرف وہی گوشت کھایا کرتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

زہد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یہ تھی۔

1 «یارب أجوع یوماً وأشبع یوماً وأما الذی أجوع فیه فأتضرع إلیک وأدعوک وأما

[1] شفاء، ص:60

[2] صحیح بخاری عن عبداللہ کتاب الصید والذبائح

الیوم الذی أشبع فیه فأحمدک وأثني علیک»[1]

''الٰہی ایک دن بھوکا رہوں، ایک دن کھانے کو ملے، بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں گا تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد وثناء کیا کروں۔''

2 صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی، حضرت کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران ہوتا۔[2]

3 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آ کر تین دن تک برابر گیہوں والی روٹی کبھی نہیں کھائی۔[3]

4 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلہ (جَو) رہن تھی۔[4]

5 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا کی آخری شب میں تھے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پڑوسن سے چراغ کے لیے تیل منگوایا تھا۔

6 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے ، الٰہی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اتنا دے، جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے زہد کی تمام صورتیں اختیاری تھیں۔لاچاری کچھ بھی نہ تھی اور اس زہد سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نہ تھا کہ کسی حلال شے کے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کریں۔ایسے خیال سے صرف ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک بیوی نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا تھا۔اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمادیا کہ یہاں تک کھینچ نہیں کرنی چاہیے۔[5]

---

[1] شفاء، ص:62 (ضعیف جدا)

[2] بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہ

[3] صحیح بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہ کتاب الاطعمہ

[4] صحیح بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہ

[5] ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ (التحریم:1)

صنف ضعیف (عورتوں) کی اعانت اور ان کی آسائش کا خیال

1. ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں ساتھ تھیں وہ تمام جسم کو چادر سے ڈھانپ کر اونٹ کی پچھلی نشست پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوار ہوا کرتی تھیں۔ جب وہ اونٹ پر سوار ہونے لگتیں۔

《 يجلس عند بعير، فيضع ركبته فتضع صفية رجلها على ركبته حتىٰ تركب 》[1]

''تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیتے صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنے پر رکھ کر اونٹ پر چڑھ جایا کرتیں۔''

2. ایک دفعہ ناقہ (اونٹنی) کا پاؤں پھسلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں گر پڑے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے رسول اللہ کی طرف متوجہ ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 《عليك بالمرأة》 تم پہلے عورت کی خبر لو۔[2]

3. ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اونٹوں کی مہار پکڑے جاتا تھا۔ حُدی خوانی کرنے لگا۔ حُدی ایسی آواز سے شعر پڑھنے کو کہتے ہیں جس سے اونٹ تیز چلنے لگتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دیکھو کانچ کے شیشوں کو توڑ کر پھوڑ نہ دینا۔''[3] اس ارشاد میں عورتوں کو کانچ کے آلات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشبیہ دی ہے۔ نفاست و نزاکت کے علاوہ وجہِ تشبیہ عورتوں کا ضعفِ خلقت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ آرام اور آسائش کی مستحق ہیں۔

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح کی جاتی تھی۔ جنگ بدر میں جو قیدی مدینہ منورہ میں چند روز تک مسلمانوں کے پاس اسیر رہے ان میں سے ایک کا بیان ہے ''خدا مسلمانوں پر رحم کرے، وہ اپنے اہل وعیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے کنبے سے پہلے ہمارے آرام کی فکر کیا کرتے تھے۔'' جب قیدی اسیر ہو کر

---

[1] صحيح البخاري، باب هل يسا فر بالجارية، عن انس رضى الله عنه

[2] صحيح البخاري، باب استقبال الغزاة عن انس: 20

[3] صحيح مسلم

آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ان کے لباس کی فکر کیا کرتے تھے۔[1]

مردانہ ورزشیں

مردانہ ورزشوں کا شوق دلایا کرتے۔رکانہ عرب کا شاہ زور پہلوان تھا۔وہ اپنے بچھڑ جانے کو اسلام لانے کی شرط ٹھہراتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین بار پچھاڑ دیا تھا۔[2]

تیر افگنی

نشانہ بازی کا لوگوں کو شوق دلایا کرتے،نشانہ بازی کی مشق کے لیے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ایک دفعہ فرمایا: تیر چلاؤ میں اس پارٹی کی طرف ہوں گا۔یہ سن کر دوسری پارٹی نے تیر چلانے سے ہاتھوں کو روک لیا۔سبب پوچھا گیا۔انہوں نے کہا جب اس پارٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل ہیں تو ہم اس کے مقابلہ میں کیونکر تیر افگنی کر سکتے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیر چلاؤ، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔اِرمُوْ وَانا مَعَکُم کلّکم۔[3]

گھوڑ دوڑ

گھوڑوں کی دوڑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کرائی جاتی تھی۔لمبی دوڑ 5 یا 6 میل کی اور ہلکی دوڑ ایک میل کی ہوتی تھی۔[4]

مردم شماری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:(إكتبو إليّ من تلقط بالإسلام من الناس)۔''تمام کلمہ گو اشخاص کے نام میرے ملاحظہ کے لیے قلمبند کیے جائیں۔''اس حکم کی تعمیل ہوئی اس وقت مسلمانوں کا شمار ڈیڑھ ہزار ہوا۔اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ کا شکر کیا۔خوشی منائی۔مسلمان کہتے ہیں اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں،

[1] صحيح البخاري،باب الكسوة الاسارىٰ عن جابر رضى الله عنه

[2] شفاء قاضى عياض،ص:34

[3] صحيح البخاري، عن سلمه بن الاكوع باب التحريض علىٰ الرمى

[4] صحيح البخاري، عن ابن عمر رضى الله عنه باب السبق بين الخيل

اب ہمیں کیا ڈر رہا ہے۔ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے۔جب ہم میں سے کوئی اکیلا ہی نماز پڑھا کرتا تھا اور اسے ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔[1]

افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ شمار کس سنہ میں ہوا تھا۔صحیح بخاری کی دیگر روایات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری مردم (مسلم) شماری تھی۔پہلی دفعہ کے شمار میں مسلمانوں کی تعداد **500** اور دوسری میں **600** سو اور **700** کے درمیان تھی۔

تعلیماتِ رسالت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پاک، اعتقادات، عادات۔عبادات، مہلکات، منجیات، احسانیات کے متعلق ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت اور اسلام کی برتری کا مدار اسی تعلیم پر ہے۔

خدا کا حق بندوں پر بندوں کا حق خدا پر

«حَقُّ اَللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ، وَلايُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا،وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اَللّٰهِ اِذا فَعَلوا أَنْ لا يُعَذِّبَهم»[2]

''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا حق ادا کریں تب وہ انہیں عذاب نہ دے۔''

رحمتِ الٰہیہ کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھ رکھا ہے۔« إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي »''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري،كتاب الشهادة عن حذيفه

[2] صحيح البخاري،عن معاذ بن جبل رضى الله عنه،كتاب الرقاق

[3] صحيح البخاري،عن ابى هريره رضى الله كتاب الخلق

خدمتِ والدین

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں جہاد (دشمنانِ دین سے جنگ) کرنا چاہتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ وہ بولا ہاں! فرمایا، ہاں انہی (کی خدمت) میں جہاد (حددرجہ کی کوشش) کرو۔[1]

نصرتِ باہمی

«المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضًا وشبك بين أصابعه»[2]

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے بنیاد کی اینٹیں۔ایک سے دوسرے کو قوت ملتی ہے پھر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔یعنی مومن اس طرح ملے جلے رہتے ہیں۔''

مسلمان کون ہے؟

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ»[3]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔''

ایمان کا کمال

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»[4]

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا۔جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو کچھ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري،عن عمر رضى الله كتاب الادب

[2] صحيح البخاري،عن أبي موسىٰ رضى الله عنه،كتاب المظالم

[3] صحيح البخاري،عن عبدالله بن عمر كتاب الايمان

[4] صحيح البخاري،عن انس رضى الله عنه كتاب الايمان

شیرنی کا ایمان

« ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ ، وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ، أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ »[1]

''تین باتیں ہیں جن میں یہ ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت چکھ لے گا۔

1. خدا اور خدا کے رسول کی محبت اسے سب سے بڑھ کر ہو۔
2. کسی بھائی سے للٰہی محبت رکھتا ہو، کوئی غرض شامل نہ ہو۔
3. کفر میں جا پڑے کو ایسا برا جانتا ہو، جیسا کہ آگ میں گر جانے کو سمجھتا ہے۔''

پسندیدہ اعمال

لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أدومه وإن قلّ۔ پھر فرمایا: اكلفوا من العمل ماتطيقون۔[2]

''جو عمل ہمیشہ کیا جائے۔ اگرچہ مقدار میں کم ہی ہو۔ عمل (عبادت) اتنا ہی کیا کرو جسے بآسانی کرسکو۔''

اعمال شاقہ سے ممانعت

1. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گھر میں رسی لٹکی دیکھی، پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں عورت نے لٹکا رکھی ہے رات کو (عبادت کرتی ہوئی) جب اونگھنے لگتی ہے تو اس سے لٹک پڑتی ہے۔ فرمایا اسے کھول دو عبادت (نافلہ) اس وقت تک کرو کہ نشاط طبع قائم رہے۔[3]

2. بنی اسد کی ایک عورت کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ وہ تمام شب عبادت کرتی ہے فرمایا

---

[1] صحيح البخاري، عن انس رضى الله عنه كتاب الايمان

[2] صحيح البخاري، كتاب الرقاق

[3] صحيح البخاري، كتاب النوافل عن انس بن مالك رضى الله عنه

ایسا نہ کرو، اعمال بقدر طاقت ادا کرو۔[1]

2 عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم راتوں کو برابر جاگتے اور دن کا برابر روزہ رکھا کرتے ہو۔ عبداللہ نے کہا، ہاں! فرمایا:

«فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ،وَقُمْ وَنَمْ ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا،وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا »[2]

”اب ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور کچھ وقت کے لیے چھوڑ بھی دو، رات کو عبادت کے لیے جاگو بھی اور سوؤ بھی۔ دیکھ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔“

محنت کی تعریف مانگنے کی برائی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے مانگا کرے اور لوگ اسے دیا کریں۔[3]

کن لوگوں پر رشک کرنا چاہیے

فرمایا: قابل رشک دو شخص ہیں۔

1 جسے خدا نے مال دیا اور اس مال کو جائز جگہ صرف کرنے کی توفیق بھی اسے ملی ہو۔

2 جسے خدا نے حکمت عطا کی ہو۔ وہ اس پر خود عمل کرتا ہو اور دوسرے کو اس کی تعلیم دیتا ہو۔[4]

بہترین اخلاق کی تعلیم

«سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وأبشروا فَإِنَّهُ لَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ أَحَدًا عَمَلُهُ»[5]

[1] صحيح البخاري، كتاب النوافل عن عائشه رضى الله عنها

[2] صحيح البخاري، عن عبدالله رضى الله عنه كتاب النكاح

[3] صحيح البخاري عن ابی هریره رضى الله عنه باب كسب الرجل عمله بيده

[4] صحيح البخاري ،عن ابن مسعودرضى الله عنه،كتاب الزكوٰة

[5] صحيح البخاري ،عن عائشه رضى الله عنها، كتاب الرقاق

''راستبازی اختیار کرو، باہمی محبت کو بڑھاؤ، لوگوں کو خدا کی طرف سے بشارت پہنچاؤ، عمل تو کسی کو بھی جنت میں نہیں لے جا سکتا۔''

اخلاق رذیلہ سے نہی اور اخوت کا حکم

« إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا »[1]

''خبردار! بدگمانی کو اپنی عادت نہ بنانا۔ بدگمانی میں تو جھوٹ ہی جھوٹ ہوتا ہے۔ بے بنیاد باتوں پر کان نہ لگاؤ، اوروں کے عیب نہ تلاش کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، کسی سے روگردانی نہ کرو، اے اللہ کے بندو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو (جیسا کہ تم سب اللہ کے بندے ہی ہو۔)۔''

ہمسایہ اور مہمان کا حق

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلا يُؤْذِ جَارَهُ، مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ »[2]

''جو کوئی شخص خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دیا کرے، جو کوئی شخص خدا پر قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کیا کرے۔''

کلام اور خاموشی

«من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليقل خيراً اَوْلِيَصمُتُ»[3]

''جو کوئی شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے لازم ہے بات کہے تو اچھی کہے ورنہ خاموش ہی رہے۔''

---

[1] صحيح البخاري ،عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ كتاب الفرائض

[2] صحيح البخاري ،عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ كتاب الرقاق

[3] صحيح البخاري ،عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ كتاب الرقاق

نجات کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضمانت

«مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ ، وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ ۔»[1]

''اگر کوئی شخص مجھے ضمانت دے، اس چیز کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کو جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی پردہ کا جسم) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔''

صبر و شکر کی تعلیم

«إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ۔»[2]

''اگر ایسے شخص پر تمہاری نظر پڑے جو مال اور حسن میں تم سے بڑھ کر ہے، تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو ان چیزوں میں تم سے کمتر ہے۔''

پہلوان کون ہے؟

« لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»[3]

''شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔''

منادیانِ اسلام کا فرض

« يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا۔»[4]

''معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک یمن میں تعلیم اسلام کی اشاعت کے لیے مامور فرمایا تھا روانگی کے وقت انہیں ارشاد فرمایا) لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا۔ انہیں سختی میں نہ ڈالنا،

---

[1] صحيح البخاري ،عن سهل بن سعد رضى الله عنه كتاب الرقاق

[2] صحيح البخاري ،عن ابى هريره رضى الله عنه كتاب الرقاق

[3] صحيح البخاري ،عن ابى هريره رضى الله عنه كتاب البر والصلة

[4] صحيح البخاري كتاب البر والصلة

خوشخبری اور بشارت انہیں سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا اور تم آپس میں مل جل کر رہنا۔''

اثرِ محبت

«اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» [1]

''جسے جس کے ساتھ محبت ہے وہ اس کے ساتھ ہوگا۔''

قیدیوں، مسکینوں، بیماروں سے برتاؤ کا حکم

«فكوا العاني، وأطعموا الجائع، وعُودوا المريض» [2]

''اسیروں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو۔''

درخت لگانے کا ثواب

اگر کسی مسلمان نے درخت لگایا جس کا پھل کسی انسان یا جانور نے کھایا تو لگانے والے کے لئے یہ صدقہ ہوگا۔ [3]

حیوانات سے ہمدردی کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص راہ چلتا تھا اسے سخت پیاس لگی، کنواں ملا، کنوئیں کے اندر اتر کر اس نے پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان باہر نکالے پیاس کے مارے نمناک زمین کو چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا کتے کو بھی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ پھر وہ کنوئیں میں اترا، اپنا موزہ پانی سے بھر کر لایا اور کتے کو پلا دیا۔ خدا نے اس عمل کو قبول فرما کر اس شخص کو بخش دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیوانات کے لئے بھی ہم کو اجر ملے گا۔

---

[1] صحيح البخاري ،عن ابن مسعود رضى الله عنه كتاب البر

[2] صحيح البخاري،عن انس رضى الله عنه، كتاب الادب۔

[3] صحيح البخاري،عن ابى ہريره رضى الله عنه ، كتاب آباءاعلى بطريق۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر ایک جاندار جس کے کلیجے میں نم ہے (جو زندہ ہے) کے متعلق تم کو اجر ملے گا۔''[1]

لونڈیوں کو تعلیم دینے کا ذکر

«مَنْ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَعَالَهَا، فَأَحْسَنَ إِلَيْهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ»[2]

''اگر کسی کے پاس لونڈی ہو تو وہ اسے علم سکھائے، اچھے سلوک سے رکھے پھر آزاد کردے، پھر اسے بیوی بنالے، تب اس شخص کو دو چند اجر ملے گا۔''

منافق کون ہے؟

چار خصلتیں جس شخص کے اندر ہوں وہ منافق ہے۔ اگر ان چار میں سے کوئی ایک خصلت اس میں ہے تو نفاق کی ایک علامت اس شخص کے اندر ہے۔

1. بولے تو جھوٹ بولے۔
2. وعدہ کرے تو وعدہ خلاف کرے۔
3. عہد کرے تو پورا نہ کرے۔
4. جھگڑا کرے تو فحش گوئی کرے۔[3]

مہاجر کون ہے؟

« وَالْمُهَاجِرُ مِنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔»[4]

''خدا راہ میں ہجرت کرنے والا وہ شخص ہے جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ ہو جاتا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري ،قول جابر رسول الله ﷺ، باب الشفاعه۔

[2] صحيح البخاري ،عن ابي موسى ، باب من ادب جاريه وعلمها،كتاب العتق۔

[3] صحيح البخاري ، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه۔

[4] صحيح البخاري ، كتاب المحاربين ،عن ابى هريره رضى الله عنه۔

قیامت کے دن سایہ ربانی کن لوگوں پر ہوگا؟

❶ بادشاہ عادل۔

❷ وہ نوجوان جس ے جوانی میں عبادت الٰہی کی ہو۔

❸ وہ شخص جسے تنہائی میں خدا یاد آتا ہو اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہوں۔

❹ وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔

❺ وہ دونوں شخص جن کی محبت للّٰہیت پر ہو۔

❻ وہ شخص جسے کوئی حسینہ اور اعلیٰ درجے کی عورت اپنی جانب بلائے اور وہ یہ کہ دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

❼ وہ شخص جو مخفی طور پر خیرات دیتا ہو اس طرح کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ دائیں نے کیا دیا۔

یہ ہیں وہ سات شخص جنہیں خدا قیامت کے دن اپنے سایہ میں لے لے گا، جس دن کہیں سایہ نہ ہوگا۔

بادشاہ کی اطاعت کا حکم

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شيئا فَلْيَصْبِرْ فإنه من خَرَجَ من السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔[1] إنَّكم ستَرونَ بَعْدِي أَثَرًا وأُمُوراً تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا فما تَأْمُرُنا يَا رسُولَ اللّٰهِ، قَال أدّوا لهم حقهم واسئلوا الله حقكم۔»[2]

❶ اگر کسی شخص کو اپنے فرمانرواں کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اسے لازم ہے کہ صبر کرے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بالشت بھر بھی اپنے بادشاہ کی اطاعت سے باہر نکلے گا تو اسے وہ موت نصیب ہوگی جو زمانہ قبل از اسلام کی موت ہوتی تھی۔

❷ تم لوگ میرے بعد ناخوشگوار حالتیں اور ایسی باتیں دیکھو گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ صحابہ کرام

[1] صحيح البخاري عن ابن عباس رضى الله عنه كتاب الفتنه

[2] صحيح البخاري عن ابن مسعود رضى الله عنه كتاب الفتنه

نے پوچھا ایسی حالت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق کی بابت خدا سے دعا مانگنا۔

سربرآوردہ لوگوں کو معاملات میں حصہ دینا

« فارجعوا حتى يرفع إلينا غرفاؤكم »[1]

''تم واپس جاؤ، اس معاملہ کو ہمارے سامنے تمہارے سربرآوردہ لوگ پیش کریں گے۔''

سربرآوردہ لوگوں کا کام قوم کی نیابت کرنا ہے

«فأخبروه أن الناس قد طيّبو واذنوا۔»[2]

''(سربرآوردہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) آکر عرض کیا کہ سب لوگ اس پر خوش ہیں اور انہوں نے ہم کو اس بارہ میں اجازت دیدی ہے۔''

غیر مسلم زیرِ معاہدہ اقوام کی حفاظت

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا»[3]

''اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم زیرِ معاہدہ (رعایا) شخص کو قتل کرے گا۔ تو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھنے پائے گا۔ حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔''

زیست کا درجہ قدرِ زندگانی

«ولا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الموْتَ، إمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدادَ خَيْرًا، وإمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ۔»[4]

---

[1] صحيح البخاري كتاب الاحكام،عن مسور بن مخرمه

[2] صحيح البخاري عن مسعود رضى الله عنه(جنگ ہوازن)

[3] صحيح البخاري عن عبدالله بن عمر رضى الله عنه كتاب الجزية

[4] صحيح البخاري عن ابى بريره رضى الله عنه كتاب الطب

’’کسی شخص (مسلمان) کو موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر نیک ہے تو اس لئے کہ شاید وہ نیکیوں میں ترقی کر سکے اور اگر بد ہے تو اس لئے کہ شاید وہ خوشنودی حاصل کر سکے۔ (توبہ سے)۔‘‘

صحت اور فراخ دستی کا درجہ

﴿نِعمَتَانِ مَغبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصحة والفراغ﴾[1]

’’دو نعمتیں ہیں جن کی قدر اکثر لوگ نہیں جانتے وہ نعمتیں ’’تندرستی‘‘ ’’فراخ دستی‘‘ ہیں۔‘‘

ادائے قرضہ کی فضیلت

﴿إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً﴾[2]

’’ایک شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ دینا تھا۔ وہ تقاضا کرنے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ خرید کر اسے دے دیا اور لوگوں سے فرمایا: نیک و برتر شخص وہ ہے جو قرض کو خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے۔‘‘

دولت مندی کی تعریف

﴿لَيْسَ الغِنَى عَنْ كَثْرَةِ العَرَضِ، وَلَكِنَّ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔﴾[3]

’’دولت مندی زر و مال کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی ہے، غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔‘‘

مساواتِ عامہ

﴿لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَبيض عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى﴾[4]

---

[1] صحيح البخاري عن ابن عباس رضی الله عنه كتاب الرقاق

[2] صحيح البخاري عن ابی هريره رضی الله عنه كتاب الاستقراض

[3] صحيح البخاري عن ابی هريره رضی الله عنه كتاب الرقاق

[4] زاد المعاد جلد،2،ص:185

''عرب کے کسی باشندے کو اعجم کے کسی باشندے پر اور اعجم کے کسی شخص کو عرب کے کسی شخص پر، گورے رنگ والے کو کالے رنگ والے آدمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا ذریعہ تو صرف ''خداترسی'' ہے۔''

رحمِ عامہ

«مَن یرْحَمُ لا یُرْحَم» [1]

''جو کوئی شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔''

وارثوں کے لیے ورثہ چھوڑنے کی فضیلت

«إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ» [2]

''یہ بہتر ہے کہ تو اپنے وارث کو غنی چھوڑ کر مرے، بہ نسبت اس کے کہ وہ تہی دست ہو اور لوگوں کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا رہے۔''

عورتوں کی مثال اور ان سے گزران کی ہدایت

«الْمَرْأَةَ كالضلَع أن اقمتها كسرتها، وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفيهَا عِوَجٌ۔» [3]

''عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی، اس ہڈی کو اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے اور اگر اس سے کام لینا چاہو گے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔''

عورت کا درجہ گھر میں

«المرأة راعية على بيت زوجها وولده۔» [4]

---

[1] صحيح البخاري عن جرير بن عبد الله رضى الله عنه

[2] صحيح البخاري عن سعد عبد الله ابى وقاص كتاب الوصايا

[3] صحيح البخاري

[4] صحيح البخاري عن ابن عمر رضى الله عنه

''عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے۔''

ماہر قرآن کا درجہ

﴿ الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ﴾[1]

''قرآن مجید کا جاننے والا بزرگ نیکوکار سفیروں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کلام

﴿كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ :سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ﴾[2]

''دو بول جو رحمان کو پیارے ہیں۔ زبان پر ہلکے ہیں، میزان اعمال میں بھاری ہیں۔ وہ یہ ہیں ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ﴾۔''

قرآن مجید

ہمارے سید مولیٰ نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اگر کوئی فاضل مبسوط و مشرّح لکھے تو ضرور ہے کہ وہ علومِ قرآن سے بھی بحث کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص میری طرح مختصر اور سادہ سادہ حالات لکھ رہا ہو تو اسے بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کرے۔ گو اسرار و حکم اور خصوصیات قرآن پاک کے مباحث کو وہ چھوڑ ہی دے۔ کیونکہ جس سیرۃ نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دکھایا جاتا وہ کتاب از حد نامکمل ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ انہوں نے فرمایا: قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ ربُّ العالمین کا کلام ہے۔ لیکن اہل علم کو اس کلامِ ربانی سے روشناس و متعارف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی کرایا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري تعليقاً(كتاب التوحيد)

[2] صحيح البخاري، عن ابی هريره رضی الله عنه خاتمه كتاب

یہ پاک کلام تیس سال کی مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ انہی الفاظ میں دنیا میں مشتہرو محفوظ، زبانوں پر جاری، دلوں پر قابض، دماغوں پر حاوی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑھ کر سنائے تھے۔ یہ کلامِ پاک دنیا کے ہر طبقہ پر موجود ہے۔ دنیا کے ہر حصے پر کروڑوں لوگ ہر روز پانچ مرتبہ اس کے مختلف حصوں کو پڑھ لیتے ہیں۔

جب سے اس کا نزول ہوا اس کا ظہور ترقی پذیر رہا ہے۔ اس وقت سے لے کر جب اسے اکیلی ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سنا، لحظہ بہ لحظہ روز بروز اس کے ماننے والوں کی تعداد ترقی پذیر رہی ہے۔ کوئی ملک، کوئی موسم، کوئی رسم ورواج کسی جگہ کے ماننے والوں یا انکار کرنے والوں کے موافق یا ناموافق حالات اس کی ترقی کے لئے روک نہیں بن سکتے۔

مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے غلط کئے گئے۔ اس کی سچی صاف تعلیم پر غلط حاشیے چڑھائے گئے لیکن کوئی تدبیر بھی اس کی اشاعت کو نہ روک سکی اور اس کی وسعت پذیر ترقی کو محدود نہ کرسکی۔

یہ جس زبان میں پہلے پہل جلوہ گر ہوا، اسی میں اب تک نور گستر ہے اور ایک عالم اس کی روشنی سے منور ہے۔ لیکن دنیا کی اور تمام مقدس کتابیں، کیا توراۃ و زبور، کیا انجیل اور اس کے خطوط، کیا وید کیا ژندو پاژند اس کے وصف سے عاری ہیں۔ جس زبان میں وہ اتری تھیں آج دنیا پر اس زبان کا اور اس زبان کے بولنے والوں کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔

قرآن مجید ان سب اعتراضات کو جو قرآن کے زمانۂ نزول میں کئے گئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو الزام لگائے گئے خود بیان کرتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید اپنے لئے خود ایک سچی تاریخ بن گیا ہے۔ جس میں تصویر کے ہر دو رخ دکھادئے ہیں۔ قرآن مجید اس بارے میں اپنی صداقت اور استحکام کے اعتماد پر جس جرات سے کام لیا ہے، دنیا کی کسی اور کتاب سے اس کا ظہور نہیں ہوا۔

قرآن حکیم کی تعلیم ایسی زبردست صداقت لئے ہوئے ہے کہ جن قوموں اور مذہبوں نے اسے علی الاعلان نہیں مانا انہوں نے بھی اپنی کتابوں میں اسی تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو سینکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں یا سینکڑوں سال بعد کی۔

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾(حم سجدہ-42)

میرے فقرے کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے گا جب آپ یہودیت، عیسائیت، موبدیت، بودھست اور ہندومت کے سناتن یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قرآن مجید کو پڑھیں گے اور پھر بعد از نزول قرآن پاک آپ ان مذاہب کی ترقیات تا زمانہ حال پر غور فرمائیں گے اور ان ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں اس انقلاب سے بیشتر قرآنی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں۔

اب خواہ کوئی قرآن مجید کے فیوض کو مانے، جیسا کہ بانیاں برہموسماج کا حال ہے یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مستخرج ہیں۔

خواہ کوئی نہ مانے جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے مگر عملاً انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو لے لیا ہے، لے رہے ہیں اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم (علی رغم انف) مجبور ہے کہ اس کی تعلیم لیتی رہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ (المائدہ:3) کی بشارت سناتی ہے۔

میں نے آیات کے ساتھ صرف سادہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنا اس کتاب کے موضوع سے باہر تھا۔ کیونکہ میں ایک سلیس اور آسان کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے پڑھ لینے کے بعد پڑھنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی بابت کچھ تو معلوم کر سکے۔ مسلمان براہِ مہربانی دیکھیں کہ قرآن مجید کس نمونہ کے مسلمان تیار کرتا ہے۔

وماتوفیقی الاباللہ، علیه توکلت والیه انیب۔

جمالِ نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوق ووارفتگی

صدف صادق

بشکریہ ماہنامہ محدث

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو ربِّ کائنات ہے، جس نے ارض وسما کی تخلیق کے بعد اس کی تدبیر کی ، جو ہر ایک کو رزق دینے والا ہے، جس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا، جس نے ہماری راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے اور سب سے آخر میں نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرما کر ہمیں ان کا اُمّتی بنایا۔ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ اُن ہی کے سانچے میں ہم نے اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ تمام مخلوق سے زیادہ محبت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، صحیحین میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»[1]

''کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنی اولاد، والدین اور باقی تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔''

- کیونکہ آپ کی ذات ہی وہ مبارک ہستی ہے جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔
- آپ وہ رسول محترم ہیں جن کے لیے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔
- جن کی عمر کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں اُٹھائی ہے۔

[1] صحيح البخاري: 15

❁ جن کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔
❁ جن کے خوش ہونے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔
❁ اور جن کے ناراض ہونے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔
❁ جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

1 امام بخاری سیدنا عبداللہ بن ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر بن خطاب کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یقیناً آپ مجھے میری جان کے سوا دنیا جہاں سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ سیدنا عمر نے عرض کیا:

«وَاللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ: الآنَ يَا عُمَرُ»[1]

''اللہ تعالیٰ کی قسم! یقیناً اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اب بات بنی ہے۔''

2 کسی بھی شخصیت کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اس کی شکل وصورت اور وجاہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن سلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی کہہ دیا تھا:

«أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ»[2]

''بلاشبہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔''

3 سیدنا ابو رِمثہ تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شگفتہ چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ گیا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا:

«هذا والله رسول الله»[3] ''واللہ! یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري: 6632

[2] سنن ابن ماجه: 1334

[3] مسند احمد: 228/2

آج ہمارے سامنے آپ ﷺ کی کوئی حقیقی تصویر تو موجود نہیں ۔خود آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو تصویر کے فتنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے، البتہ آپ کے حسن و جمال کی جھلک دیکھنے والوں نے آپ کے رخِ انور، حسن و جمال، قدوقامت، بے مثال خدوخال اور باوقار و پرکشش شخصیت کا نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچ دیا ہے۔صحابہ کرام کو آپ ﷺ سے کس قدر محبت تھی۔کس کس زاویے سے انھوں نے آپ کو دیکھا، جانچا اور کن کن الفاظ سے آپ کی شخصیت کا احاطہ کیا، اُس سے ان کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

4 آپ ﷺ کا حلیہ مبارک صرف صحابہ کرام نے ہی نہیں بلکہ ایک صحابیہ اُمّ معبد نے بڑے زبردست طریقے سے بیان کیا ہے۔ہجرت کے سفر میں دوسرے دن آپ کا گزر اُمّ معبد کے خیمے سے ہوا، یہ مکہ سے 130 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ تو اس نے میزبانی سے معذرت کی اور بتایا: بکریاں دور دراز گئی ہوئی ہیں، ایک بکری ہے جو بہت ہی کمزور اور لاغر سی ہے جس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ۔تو آپ ﷺ نے اجازت لے کر اس بکری کا دودھ دھویا اور اس بکری نے اتنا دودھ دیا کہ بڑا سا برتن بھر گیا۔آپ ﷺ نے امّ معبد کو بھی پلایا۔اپنے ساتھی کو بھی پلایا ، پھر خود پیا اور دوبارہ دھو کر برتن بھر دیا اور روانہ ہو گئے ۔آپ ﷺ کے جانے کے بعد ام معبد کا شوہر گھر پر آیا۔اُس نے دودھ دیکھا تو اسے تعجب ہوا۔پوچھا! یہ کہاں سے آیا؟ تو اُم معبد نے پوری بات بتلادی۔[1]

اور آپ ﷺ کا سرتا پا وجود، گفتگو اور احوال کو بہت تفصیل سے بیان کیا۔اس پر ابو معبد بول اٹھا: واللہ! یہ تو صاحبِ قریش ہے۔میرا ارادہ ہے آپ کا ساتھ اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ضرور ایسا کروں گا۔

غور کریں کہ ابو معبد کو صرف آپ کا حلیہ مبارک جان کر ملاقات اور رفاقت کا شوق پیدا ہو گیا۔حلیہ کے ساتھ آپ کا اخلاق اور کردار بھی تھا....اُمّ معبد نے کیا کہا تھا؟

''پاکیزہ روح، کشادہ چہرہ، صاحبِ جمال، نہ نحیف ولاغر، نہ توند نکلی ہوئی، آنکھیں سیاہ اور فراخ، یعنی بڑی آنکھیں، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، باریک پیوستہ ابرو، جب خاموش ہوتے تو

---

[1] المعجم الكبير للطبرانی :48/4

وقار بلند ہو جاتا، بات کرتے تو بات واضح ہو جاتی، دور سے دیکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، بارونق، قریب سے شیریں اور کمال حسین، شریں کلام، فیصلہ کن بات، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قدوقامت، نہ لمبوترا نہ پست قد، دوشاخوں کے درمیان تروتازہ شاخ کی مانند، اس کے ساتھی اس پر بچھے جاتے تھے، جب وہ کچھ کہتے تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے لپک پڑتے ہیں۔ نہ کوتاہ سخن نہ ترش رو، نہ فضول گو۔'' [1]

امّ معبد کے کھینچے گئے نقشے میں آپ کا خُلق اور خَلق دونوں شامل ہیں۔ خَلق Features، سے مراد شخصیت کی پیدائشی خوبیاں اور خُلق سے آپ کی عادات اور اخلاق مراد ہیں۔

5 جابر بن سمرۃ بیان کرتے ہیں:

''میں ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ جوڑا پہنے چاندنی رات میں دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا، کبھی آپ کے چہرۂ انور پر نظر کرتا: «فَإِذَا هُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ» [2] بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔''

6 کعب بن مالک کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے جب میری توبہ قبول ہوئی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ مبارک مارے خوشی کے دمک رہا تھا: «إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ، كَأَنَّ وَجْهَهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ» [3]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش ہوئے تو آپ کا چہرہ ایسے دمکتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔

7 سیدنا انس بیان کرتے ہیں کہ «كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلاَ بِالْقَصِيرِ» [4] نبی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ دراز قد تھے، نہ پست قامت، بلکہ آپ کا قد درمیانہ تھا۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني :48/4

[2] سنن الترمذي : 2811

[3] صحيح مسلم :2769

[4] صحيح البخاري :3547

8 آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید اور نہ گندمی کہ سانولے نظر آتے ۔ بلکہ آپ چمک دار تھے اور آپ کے بال نہ زیادہ پیچ دار اور نہ بالکل سیدھے، بلکہ ہلکا سا خم لیے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ پر وحی کا آغاز چالیس برس میں ہوا، پھر اس کے بعد آپ ﷺ دس سال مکہ میں رہے، پھر تیرہ سال مدینہ میں قیام فرمایا، وفات کے وقت سر اور داڑھی میں بمشکل بیس بال سفید تھے۔ [1]

9 سیدنا ابو جحیفہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رنگ سفید تھا۔ سر مبارک کے کچھ بال سفید تھے، سیدنا حسن شکل وشباہت میں آپ سے کافی ملتے جلتے تھے۔ [2]

10 سیدنا ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی روشنی آپ کے رخِ انور سے جھلک رہی تھی۔ آپ ﷺ اس قدر تیز رفتار چلتے گویا زمین آپکے لیے لپٹی جارہی ہو۔ ہم تو چلتے چلتے مارے تھکن کے چور ہو جاتے لیکن آپ تھکاوٹ سے بے نیاز، اپنا سفر جاری رکھتے۔ [3]

11 سیدنا محرش کعبی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے لیے مقامِ جعرانہ سے رات کے وقت احرام باندھا: ((فَنَظَرْتُ إِلَى ظَهْرِهِ كَأَنَّهُ سَبِيكَةُ فِضَّةٍ))[4] میں نے آپ کی کمر دیکھی جو رنگت میں سفید گویا کہ چاندنی سے دھلی ہوئی تھی۔

12 نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر کہتے ہیں:

((وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الغَمَامُ بِوَجْهِهِ ۔ ثِمَالُ اليَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ))[5]

''وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔''

---

[1] صحیح البخاري :3548

[2] صحیح البخاري :3548

[3] صحیح ابن حبان:74/5

[4] مسند احمد:426/3

[5] صحیح البخاري :1008

13 سیدنا ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی عالی شان اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبے والے تھے۔ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح جگمگا تا تھا۔ (1)

14 سیدنا علی کا بیان ہے کہ رسول اللہ کی بڑی بڑی سرخی مائل آنکھیں، پلکیں دراز اور ڈاڑھی گھنی تھی۔ (2)

15 سیدنا ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ (3)

16 امّ معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں۔ (4)

17 سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی بھنویں اور پلکیں لمبی تھیں۔ (5)

18 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا دہن مبارک بہت حسین اور خوبصورت تھا۔ (6)

19 سیدنا عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ پہلے پہلے جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق معلوم ہوا تو میں چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا، اہل خانہ نے مجھے سیدنا عباس بن عبدالمطلب کی طرف بھیجا۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ بئر زم زم پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ بابِ صفا سے ایک صاحب نمودار ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل، قدرے خمیدہ بال، جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے، ناک بلند آگے سے ذرا جھکی ہوئی، اَولوں کی طرح سفید اور آبدار دانت، گہری آنکھیں اور گھنی ڈاڑھی تھی۔ (7)

20 سیدنا ابو ہریرہ سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی یا صبح کی روشنی پھوٹنے کے وقت آتے

---

(1) المعجم الكبير للطبرانی:155/22

(2) مسند احمد:89/1

(3) دلائل النبوة:275/2

(4) المعجم الكبير للطبرانی:48/4

(5) الطبقات الكبری لابن سعد: 414/1

(6) دلائل النبوة:317/1

(7) حلية الاولياء:172/1

(یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اُٹھتی تھی۔ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اتنی روشن اور تابندہ تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ [1]

21 سیدنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی گردن لمبی، پتلی اور چمک دار تھی گویا کہ چاندی کی صراحی ہو۔ [2]

22 سیدنا ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن چاندنی کی طرح سفید خوبصورت تھی گویا کسی مورنی کی گردن تھی۔ [3]

23 سیدنا ابو ہریرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت، پنڈلیاں موٹی اور گداز، کلائیاں بڑی اور دراز، بازو کندھے گٹھے ہوئے اور مضبوط، دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ، سینہ کشادہ، سر کے بال قدرے خم دار، پلکیں لمبی، خوبصورت اور گھنی ڈاڑھی، کان لمبے اور دلکش، درمیانہ قد نہ زیادہ طویل، نہ بالکل پست، رنگت میں گل لالہ، میں نے آپ سے زیادہ حسین وجمیل نہ کسی کو دیکھا، نہ سنا۔ [4]

24 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے بازو موٹے اور کلائیاں اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں۔ [5]

25 سیدہ عائشہ بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ، حلق کے نیچے کا حصہ ناف تک بالوں کی باریک دھاری سے ملا ہوا، سینے اور پیٹ پر اس کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔ [6]

26 سیدنا انس فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا نہیں چھوا جو آپ کی ہتھیلی سے

---

[1] سبل الهدى والرشاد، للصالحی:۲ /۲۱، السيرة النبويه لابن عساكر: 202/3

[2] صحيح ابن حبان:74/9

[3] طبقات ابن سعد:410/4

[4] المعجم الكبير:155/22

[5] دلائل النبوة:317/1

[6] دلائل النبوة:181/1

زیادہ نرم اور گداز ہو۔[1]

27 سیدنا جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں آپ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا، بچوں نے آپ کا استقبال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار تھپکاتے۔ چونکہ میں بھی بچہ تھا، آپ نے نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا، میں نے آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے ابھی عطردان سے ہاتھ نکالا ہے۔[2]

28 سیدنا ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیٔ بطحا میں تھے کہ لوگ تبرک کے طور پر آپ کے ہاتھ مبارک پکڑتے اور اُنھیں اپنے چہروں سے لگاتے، میں نے بھی آپ کا ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[3]

29 سیدنا علی کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ نے یمن بھیجا، میں ایک دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا کہ ایک یہودی عالم ہاتھ میں کتاب لیے آیا اور مجھے کہنے لگا کہ ابو القاسم کا حلیہ بیان کرو۔ سیدنا علی کہتے ہیں: میں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو پست قد ہیں اور نہ ہی زیادہ دراز قد بال، مبارک نہ زیادہ پیچ دار، نہ بالکل کھڑے بلکہ بال گھنے سیاہ قدرے خمیدہ ہیں۔ سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، رنگ گورا سرخی مائل، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور قدم پر گوشت، پلکیں دراز، پیشانی کشادہ اور ہموار دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قدرے جھک کر گویا کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہوں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اور بعد میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سا نہیں دیکھا۔ سیدنا علی کہتے ہیں: پھر میں خاموش ہوگیا، یہودی عالم کہنے لگا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: مجھے تو اسی قدر یاد ہے، وہ کہنے لگا: آپ کی آنکھوں میں سرخی، خوبصورت ڈاڑھی، خوب رو، مناسب کان، آگے پیچھے دیکھتے تو پورے وجود کے ساتھ،

---

[1] دلائل النبوة:298/1

[2] صحيح البخاري:1973

[3] صحيح مسلم:2329

سیدنا علی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ کا یہی حلیہ مبارک ہے۔ [1]

30 سیدنا انس کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ اس دوران آپ کو پسینہ آیا، میری والدہ (امّ سلیم) ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ پونچھ کر اس میں جمع کرنے لگیں۔ اتنے میں آپ بیدار ہوئے تو پوچھا: امّ سلیم یہ تم کیا کر رہی ہو؟ اُنھوں نے کہا: ہم اس پسینہ کو خوشبو میں ملائیں گے، اس سے بہترین خوشبو تیار ہوتی ہے۔ [2]

31 سیدنا جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا جو مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنی اور (رنگت میں) سرخ غدور (رسولی) جیسی تھی۔ [3]

[1] صحيح البخاري:3360

[2] البدايه والنهاية:18/6

[3] صحيح مسلم:6055

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور اس کی علامتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام مخلوق سے زیادہ محبت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

1 امام بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس سے روایت کرتے ہیں کہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں، وہ ایمان کی لذت سے بہرہ مند ہوگا۔ اللہ تعالی اور رسول اسے سب سے زیادہ پیارے ہوں، جس سے محبت کرے صرف اللہ تعالی کی رِضا کے لیے کرے اور کفر کی طرف پلٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

2 ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کو اپنی جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، جب گھر میں ہوتا ہوں اور شوقِ زیارت بے قرار کرتا ہے تو دوڑا آتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرکے سکون حاصل کرلیتا ہوں۔ لیکن جب میں اپنی اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیائے کرام کے ساتھ اعلیٰ ترین درجات میں ہوں گے، میں جنت میں گیا بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے محروم رہوں گا تو بے چین ہوجاتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَن يُطِعِ اللهَ وَالرَّسولَ فَأُولئِكَ مَعَ الَّذينَ أَنعَمَ اللهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيّينَ وَالصِّدّيقينَ وَالشُّهَداءِ وَالصّٰلِحينَ ۚ وَحَسُنَ أُولئِكَ رَفيقًا﴾ (سورة النساء: 69) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''[2]

3 ربیعہ بن کعب اسلمی کہتے ہیں:
''میں رات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لاتا تھا، ایک رات آپ نے فرمایا: ربیعہ کسی چیز کی

---

[1] صحيح مسلم :6085

[2] صحيح البخاري :6542،صحيح مسلم :65

فرمائش کرو۔ میں نے عرض کی: میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا کوئی اور فرمائش ہے؟ میں نے عرض کی: صرف یہی ایک۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔[1]

4 سیدنا انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: قیامت کب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ نے فرمایا: بے شک تو اسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ تو نے محبت کی۔ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ ہمیں اسلام لانے کے بعد کسی بات سے اتنی زیادہ مَسرت نہ ہوئی جتنی آپ کی اس بات سے ہوئی۔''[2]

5 سیدنا خبیب بن عدی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ...عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جس دن مشرکین کے آباواجداد بدر میں قتل ہوئے تھے۔ جب سیدنا خبیب کو قتل کرنے لگے تو انھیں قسم دے کر پوچھا: ''کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے اور تم پھانسی سے بچ جاتے؟ سیدنا خبیب نے فرمایا: ''اللہ بزرگ و برتر کی قسم ہے! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری جگہ آپ کے قدم مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔''[3]

6 سیدنا سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ (غزوہ اُحد سے) آپ کی مدینہ واپسی پر بنو دینار کی ایک عورت راستے میں ملی جس کا شوہر بھائی اور باپ جنگ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ اس نے پوچھا: ''نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے کہا: وہ بخیریت ہیں۔ اس نے کہا: مجھے دکھاؤ! جب تک میں اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیتی مجھے قرار نہیں آئے گا۔ لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ رہے۔ جب اُس نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھ لیا تو کہنے لگی: آپ کو دیکھنے کے بعد ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔''[4]

7 سیدنا یحیی بن سعید کہتے ہیں: اُحد کے دن رسول اللہ نے فرمایا: مجھے سعد بن ربیع کے بارے میں

---

[1] تفسیر ابن کثیر،سورۃ النساء :29، صحیح مسلم :489

[2] صحیح مسلم :226

[3] صحیح مسلم :2639

[4] .تاریخ اسلام از ذہبی:109/3

کون خبر لا کر دے گا؟ (وہ میدانِ جنگ میں کس حال میں ہیں)۔ ایک صحابی (سیدنا زید بن ثابت) نے عرض کی: یارسول اللہ! میں خبر لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور لاشوں میں سعد بن ربیع کو تلاش کرنے لگے۔ وہ زخموں سے چور زندگی کے آخری سانس میں نظر آئے۔ صحابی نے کہا: مجھے رسول اللہ نے تمھاری خبر لانے کے لیے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا: رسول اللہ سے میرا اسلام کہنا اور میری قوم سے کہنا:

''یاد رکھو! اگر تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''[1]

8 ابن اسحٰق کہتے ہیں: غزوہ اُحد کے دن جب دشمنوں نے آپ پر ہجوم کر لیا تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان دیتا ہے؟ سیدنا زیاد بن سکن پانچ انصاریوں سمیت کھڑے ہو گئے اور ایک ایک کر کے آپ کا دفاع کرتے شہید ہو گئے۔ سب سے آخر میں سیدنا زیاد اور اُمّ عمارہ رہ گئے اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں نے انھیں گرا دیا۔ پھر مسلمانوں کی ایک جماعت پلٹی تو اُنھوں نے زیاد سے دشمنوں کو ہٹایا۔ آپ نے فرمایا: اسے میرے قریب کر دو۔ لوگوں نے سیدنا زیاد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کیا۔ آپ نے اپنا قدم مبارک ان کی طرف بڑھایا۔ اُنھوں نے اپنا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔[2]

9 سیدنا بلال کی آپ سے محبت ... سیدنا محمد بن ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین نہیں ہوئی تھی کہ سیدنا بلال نے اذان دی اور جب أشهد أن محمّد رسول الله پر پہنچے تو صحابہ کرام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین ہو گئی تو سیدنا ابوبکر نے بلال سے کہا: اذان دو! سیدنا بلال نے کہا: اگر آپ نے مجھے اپنی خاطر آزاد کرایا ہے تو پھر آپ کو یہ حکم دینے کا حق ہے، لیکن اگر آپ نے مجھے اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرایا ہے تو پھر مجھے کچھ نہ کہیے۔ سیدنا ابوبکر نے کہا: میں نے تمھیں صرف اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرایا ہے تو سیدنا بلال نے کہا: تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] السيرة النبوية از ابن ہشام: 100/2

[2] موطا مالك از اعظمی: كتاب الجهاد، باب ترغيب الجهاد، حديث: 1491

وفات کے بعد اب میں کسی دوسرے کے لیے اذان نہیں کہوں گا۔ سیدنا ابوبکر نے فرمایا: اچھا تیری مرضی۔ اس کے بعد ایک بار سیدنا عمر کے دور میں اذان دینا شروع کی تو رسول اللہ کی شہادت پر پہنچ کر حسبِ عادت چہرہ انور کو دیکھنے کا قصد کیا جب نگاہیں اس مبارک چہرہ کو نہ پا سکیں تو وفورِ جذبات سے آواز رندھ گئی اور جذبات پر قابو نہ رہا اور اذان مکمل نہ کر سکے۔ [1]

10 سیدنا علی بن ابی طالب سے پوچھا گیا: آپ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کیسی تھی؟ سیدنا علی نے فرمایا:

«كان والله أحب إلينا من أموالنا وأولادنا وآبائنا، وأمهاتنا ومن الماء البارد على الظمإ، والله!» رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے مالوں، اولادوں، باپوں، ماؤں اور شدید پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔'' [2]

11 سیدنا سفیان نے ایک بار کہا کہ میں نے کسی کو دوسروں سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محمد ﷺ کے ساتھی اور جاں نثاران سے کرتے ہیں۔ [3]

12 سیدنا عمر بن خطاب کی نبی مکرم ﷺ سے محبت اور آپ کی رفاقت کی خواہش اس قدر زیادہ تھی کہ اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ سے کہا: اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ کے پاس جاؤ اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا کہ عمر سلام عرض کرتا ہے اور ہاں دیکھو، امیر المؤمنین کا لفظ استعمال نہ کرنا۔ سلام عرض کرنے کے بعد درخواست کرنا کہ عمر بن خطاب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ سیدنا عبداللہ نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (امیر المومنین کی بیماری کے غم میں) بیٹھی رو رہی ہیں۔ سیدنا عبداللہ نے عرض کی: عمر بن خطاب سلام عرض کرتے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی، لیکن اب میں اپنی بجائے عمر کو ترجیح دیتی ہوں۔ سیدنا عبداللہ واپس ہوئے

---

[1] السيرة النبوية از ابن ہشام: 102/2

[2] الاستیعاب از ابن عبدالبر: 181/1

[3] كتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض: 385

تو لوگوں نے سیدنا عمر کو بتایا کہ عبد اللہ آ گئے ہیں۔ سیدنا عمر نے لوگوں سے کہا: مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔ ایک آدمی نے سیدنا عمر کو سہارا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: عبد اللہ! کیا خبر لائے ہو؟ سیدنا عبد اللہ نے کہا: امیر المؤمنین جو آپ چاہتے تھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ سیدنا عمر نے الحمد للہ کہا، میرے لیے اس سے اہم اور کوئی بات نہیں۔ سیدنا عمر نے اپنی وفات کے بعد بھی سیدہ عائشہ سے تدفین کی تصدیق کرنے کو کہا، مبادا اُنھوں نے خلافت کے دباؤ میں اس کو قبول کیا ہو۔ [1]

13 جناب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں: سیدنا ابو بکر صدیق خطبے کے اشاروں کنایوں سے اندازہ کرتے ہیں کہ جنابِ حبیبِ کریم ﷺ کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ بخاری میں ابو سعید خدری سے روایت ہے، جناب رسول اللہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اُس کے پاس ہے، دونوں میں سے ایک چیز منتخب کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس بندے نے وہ چیز لی جو اللہ کے پاس ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکر صدیق نے رونا شروع کر دیا۔ ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بندے کے متعلق بتایا تو اُنھوں نے رونا شروع کر دیا۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ اختیار آپ ﷺ کو دیا گیا تھا اور سیدنا ابو بکر ہم سب سے زیادہ بات کو سمجھنے والے تھے۔ [2]

14 سیدنا رفاعہ بن رافع نے روایت بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے اس منبر پر سیدنا ابو بکر کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں نے گذشتہ سال اسی دن رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ پھر ابو بکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر ارشاد فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، پس تم اللہ سے عافیت مانگو۔'' [3]

15 سیدنا ابو ہریرہ کا سیدنا حسن کے پیٹ پر بوسہ دینا: صحابہ کو نبی کریم کی ہر ادا سے پیار تھا، ایک بار سیدنا ابو ہریرہ نے نواسۂ رسول حسن کو روک لیا اور کہنے کہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا کہ انھوں نے آپ

---

[1] تاریخ طبری: 542/2

[2] صحیح البخاري:3700

[3] صحیح البخاري:454

کے پیٹ پر بوسہ دیا تھا، میرے لیے بھی پیٹ کا وہ حصّہ کھولیں، میں اس جگہ کو چومنا چاہتا ہوں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لب مبارک لگائے تھے۔(کشف له الحسن وقبّله)[1] تو سیدنا حسن نے وہ جگہ کھول دی اور ابو ہریرہ نے وہاں بوسہ دیا۔

رفیق اعلیٰ کی طرف

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی تبلیغ فرمالی اور اُمّت میں خیر کا کام جاری وساری ہو گیا تو آپ کے اَقوال وافعال میں اس کے اثرات محسوس ہونے لگے کہ آپ کا وقت پورا ہو چکا اور مشن مکمل ہو چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں سال رمضان میں بیس دن کا اعتکاف کیا اور جبریل نے دو دفعہ آپ کو قرآن کا دور کروایا۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں سمجھتا ہوں، میرا وقت قریب آ چکا ہے۔[3] حضرت معاذ کو یمن رخصت کیا تو اُنہیں وصیت کرنے کے بعد فرمایا: اے معاذ! غالباً اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کرسکو گے اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے، یہ سنکر حضرت معاذ رونے لگے۔[4] آپ نے حجۃ الوداع میں کئی مرتبہ فرمایا: غالباً میں تم لوگو سے اس سال کے بعد نہ مل سکوں گا۔[5]

ماہ صفر کے آخری سوموار، بیماری کا آغاز سر درد سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب بیویوں کے پاس وقت گزارتے رہے، جب مرض زیادہ ہو گیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گئے۔[6]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھایا کرتے تھے لیکن جمعرات کی شام آپ بیماری کی وجہ سے نماز نہ پڑھا سکے تو آپ نے حضرت ابو بکر کو کہلا بھیجا کہ نماز پڑھائیں چنانچہ بقیہ ایام سیدنا ابو بکر

---

[1] مسند امام احمد:3/1

[2] مستدرک حاکم:168/3،باب مناقب حسن... فضائل الصحابة از امام احمد: 975/2

[3] صحيح البخاري:4998،2044

[4] صحيح مسلم:2450

[5] مسند احمد :22054

[6] سنن النسائی:3062؛مسند احمد :14946

نے نماز پڑھائی۔[1] آپ کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت ابوبکر کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

سوموار کی صبح سیدنا ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے حجرے کا پردہ اُٹھایا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اس پر سیدنا ابوبکر صدیق ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹے اور سمجھا کہ آپ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں لیکن آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو اور پردہ گرا کر حجرے میں تشریف لے گئے۔[2] اب تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی اور اس زہر کا اثر ہونا بھی شروع ہو گیا جو آپ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا، آپ اسکی شدت محسوس کرنے لگے۔[3] آپ نے اپنے چہرے پر ایک چادر ڈال رکھی تھی، جب سانس پھولنے لگتا تو چہرے سے چادر ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں فرمایا: ''یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت اُنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔''[4] اس سے آپ ﷺ کا مقصد امت کو ایسے کاموں سے روکنا تھا۔

اس کے بعد کئی بار فرمایا: «الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، وماملکت أیمانکم»[5] نماز، نماز اور تمہارے غلام۔ یعنی حقوق اللہ میں سب سے اہم نماز ہے اور حقوق العباد میں سب سے اہم کمزور لوگوں کا حق ہے۔ اور پھر نزع کی کیفیت شروع ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنے گلے اور سینے کے درمیان سہارا دیکر لٹا لیا، اسی دوران ان کے بھائی عبد الرحمٰن آئے، ان کے پاس تازہ کھجور کی تازہ شاخ کی مسواک تھی۔ آپ ﷺ مسواک کی طرف دیکھنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے مسواک چبا کر نرم کی پھر آپ نے اچھی طرح مسواک کی۔[6]

آپ کے پاس کٹورے میں پانی تھا، آپ اس میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرتے اور فرماتے: «لا إله

---

[1] صحيح البخاري: 4442

[2] صحيح البخاري: 687

[3] صحيح البخاري: 680

[4] سنن ابو داود: 4512، صحيح البخاري: 4428

[5] صحيح البخاري: 435

[6] مسند احمد: 788، سنن ابن ماجه: 2698

الا الله، إنّ للموتِ سكرات » [1] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کی سختیاں ہیں'' یعنی موت کی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اُنگلی بلند کی، ہونٹوں کو حرکت ہوئی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو فرما رہے تھے: ''ان انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے، اے اللہ رفیق اعلیٰ [2] ۔آخری فقرہ تین بار دہرایا اور روح پرواز کر گئی، ہاتھ جھک گیا۔ آپ رفیق اعلی سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیه راجعون !

یہ سوموار **12** ربیع الاول کا دن اور ہجرت کا گیارھواں سال تھا۔ آپ کی رحلت کی یہ خبر صحابہ کرام میں فوراً پھیل گئی، ان پر دنیا تاریک ہوگئی، قریب تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے۔ کوئی دن اس سے زیادہ تابناک نہ تھا جب رسول اللہ مدینہ تشریف لائے تھے اور کوئی دن اس سے تاریک اور اندھیرا نہ تھا جس میں آپ نے وفات پائی۔ [3] صحابہ کرام رو رو کر بے حال ہو رہے تھے۔ سیدنا عمر کھڑے ہو کر کہنے لگے: ''آپ ﷺ اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ منافقین کو فنا نہ کر دے اور اس شخص کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے جو یہ کہے کہ آپ ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ صحابہ کرام مسجد میں ان کے نزدیک حیرت اور غم کی تصویر بنے موجود تھے۔ [4] حضرت ابو بکر کو آپ کی وفات کی خبر ملی۔ آئے، لوگوں سے کوئی بات نہ کی، سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ آپ کا جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ چہرہ مبارک دیکھا، اسے چوما اور روئے۔ پھر باہر تشریف لائے اور سورۃ آل عمران کی آیت نمبر **144** تلاوت کی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾

أَمَّا بَعْدُ، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ،

---

[1] صحيح البخاري: 4449

[2] صحيح البخاري: 890، 4438، 4449

[3] صحيح البخاري: 4437، 4440، 4435

[4] سنن الترمذی: 3618، سنن ابن ماجه: 1631

فَإِنَّ اللّٰہَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ»[1]

’’اور نہیں ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر اللہ کے رسول ۔ یقیناً آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ۔کیا پھر اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے ۔اور جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اجر دے گا ۔‘‘

’’اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد کی پوجا کرتا تھا تو جان لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے ۔‘‘

حضرت عباس کا ارشاد ہے کہ واللہ! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے ۔

حضرت عمر کا ارشاد ہے : واللہ میں نے جونہی حضرت ابوبکر کو یہ تلاوت کرتے سنا تو میں جان گیا کہ یہ برحق ہے ، پس میں ٹوٹ کر رہ گیا حتی کہ میرے پاؤں مجھے اُٹھا نہیں رہے تھے اور میں ایک طرف لڑھک گیا اور جان گیا کہ واقعی آپ کی وفات ہو چکی ہے ۔[2]

منگل کے روز آپ کو کپڑے اُتارے بغیر غسل دیا گیا ، غسل دینے والے حضرت علی ، حضرت عباس اور ان کے دو بیٹے ، آپ کے غلام شُقران اور اُسامہ بن زید تھے ۔[3] آپ کو تین سوتی یمنی چادروں میں کفنایا گیا[4] ۔ ابوطلحہ نے قبر کھودی ۔ سیدنا علی ، فضل بن عباس اور قثم بن عباس قبر میں اُترے [5] شقران نے بچھونا لا ڈالا ۔ **10**،**10** صحابہ اندر جاتے اور نماز پڑھتے ۔صحابہ کرام میں مہاجر ، پھر انصار ، پھر عورتوں اور پھر بچوں نے منگل کے دن نماز پڑھی اور بدھ کی رات گزر گئی ۔رات کے اَواخر میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا ۔[6]

---

[1] سیرت ابن ہشام:2/655

[2] صحيح البخاري:باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم... 3668،3667،1241و مسند احمد: 25841

[3] صحيح البخاري :4454

[4] سنن ابن ماجه :1628

[5] صحيح البخاري:1264،صحيح مسلم:941

[6] سنن ابن ماجه :1628

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت میں

مولانا حکیم عبدالمجید سوہدری رحمہ اللہ (مولد 1900 - وفات 1959م) جماعت اہلحدیث کے مایہ ناز اور صف اوّل کے مصنف، معروف صحافی کی حیثیت رکھتے ہیں آپ نے مختلف موضوعات پر دادِ تحقیق دی ہے۔ آپ کی انہی کاوشوں میں سے ایک مبارک کاوش سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث اور روشنی ہے جو آپ نے اپنی کتاب رہبر کامل میں تحریر فرمائی ہے۔

مذکورہ کتاب میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 19 دلآویز پہلوؤں کا شاندار تذکرہ فرمایا ہے جسے مسلم پبلیکیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ مذکورہ 19 پہلوؤں میں سے آپ کی زندگی کے دو پہلوؤں (1 آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت میں 2 آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شوہر کی حیثیت سے) پر مشتمل تحریر افادہ عام کے لیے سہ ماہی البیان میں شائع کی جارہی ہے۔

امید ہے قارئین اس سے مستفید ہوں گے۔ (ادارہ)

واللہ من وراء القصد

جب ہم دنیا کے مختلف فاتحین کی سیرت پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک ذات بابرکات ایسی دکھائی دیتی ہے جو صحیح معنوں میں اپنے اندر فاتحانہ شان رکھتی ہے، اور جملہ عیوب ونقائص سے مبرا نظر آتی ہے۔

عام فاتحین کا حال

آپ فاتحین عالم میں سے ایک ایک کی سوانح عمری دیکھیں، اور ان کی خوب ورق گردانی کریں۔ مگر آپ کو ایک فاتح بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس نے مفتوحین پر رحم وکرم کیا ہو، اور بجائے لوٹنے اور تباہ کرنے کے بخشش وسخاوت سے کام لیا ہو۔

ایک فاتح جب کسی علاقہ یا ملک کو فتح کر لیتا ہے تو وہ کچھ انتقامی جذبات کے اثر سے اور کچھ ان پر پورا تسلط حاصل کرنے کے خیال سے، اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں۔

فاتح عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان

مگر حضرت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحیمی ملاحظہ ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر کو فتح کرتے ہیں، جس سے بڑے جور وستم کے بعد نکالے گئے۔ جس کے رہنے والوں نے آپ کو وہ وہ تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں کہ الامان والحفیظ۔ جو سارے عرب کی قوت کا مرکز اور کفر والحاد کا منبع بنا ہوا تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں اور غریب ساتھیوں پر وہ ظلم ہوئے تھے کہ آج ان کے ذکر سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ستم رسیدہ ساتھی دس ہزار کی تعداد میں اسے فتح کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔

رحمت ورأفت کے آٹھ دروازے

آپ جانتے ہیں کہ وہ اس وقت کس قدر اپنے انتقام لینے پر تلے ہوئے ہوں گے، اور مکہ والوں کو کچلنے اور فنا کرنے کا کیا کیا ارمان اپنے دل میں رکھتے ہوں گے۔ بے شک آج مکہ کا فاتح محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی وامی) نہ ہوتا تو دس ہزار قدسی مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ ایک ایک کافر کے 100،100 ٹکڑے

کرتے۔اور اگر ایسا کرتے تو یقیناً وہ فوجی نقطہ نگاہ سے حق بجانب بھی ہوتے۔مگر نہیں نہیں،اس فاتح عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں ہونے دیا بلکہ اس دانائی اور حکمت سے مکہ فتح کیا کہ آج دنیا کے بڑے بڑے فاتح اس پر رشک کر رہے ہیں۔

جب دشمن کی قوت ٹوٹ چکی اور وہ پورے طور پر مغلوب ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر میں داخل ہوکر اپنا پورا تسلط اور قبضہ جمالے۔اور مندرجہ ذیل احکام کو ضرور ملحوظ رکھیں:

1 جو شخص ہتھیار پھینک دے،اس کو قتل نہ کیا جائے۔

2 جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے،اسے قتل نہ کیا جائے۔

3 جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے،اسے قتل نہ کیا جائے۔

4 جو شخص ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر چلا جائے،اسے قتل نہ کیا جائے۔

5 کو شخص حکیم بن حزام کے گھر چلا جائے،اسے قتل نہ کیا جائے۔

6 جو لوگ بھاگ جائیں،ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

7 بوڑھوں،بچوں،عورتوں اور زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

8 قیدیوں کو بھی قتل نہ کیا جائے۔[1]

ان ہدایات پر غور کیجیے اور بتلایئے کہ کیا یہ نصائح وہدایات کسی ایسے فاتح کی طرف سے جاری ہوسکتی ہیں،جس کا دل جوش انتقام سے لبریز ہو؟اور کیا آج تک کسی فاتح،کسی حملہ آور اور کسی ایسے شخص کی طرف سے فوج کو ہدایات جاری ہوئی ہیں،جو تیرہ سال تک مسلسل ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا ہو؟یقیناً ایک مثال بھی تاریخ عالم میں ایسی پیش نہیں کی جاسکتی!!

یہ آٹھ ہدایات نہیں بلکہ رحمت درافت کے آٹھ وسیع اور شاندار دروازے تھے،جن میں ہر ایک خاطی اور گنارہ گار،ہر ایک مجرم اور سیاہ کار داخل ہوسکتا تھا،چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

بڑے بڑے بدبخت اور نسلی دشمن بھی رہائی پا گئے۔

---

[1] البداية والنهاية:3/288-289

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو عام

وحشی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔[1]

ہندہ جس نے چچا مرحوم کا گوشت چبایا تھا۔[2]

ہبار جس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا (بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نیزہ مارا اور حمل گرا دیا تھا۔[3]

سب کو معاف کر دیے گئے۔

وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو ابوجہل اور ابولہب کے دوش بدوش 20 سال سے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلا ہوا تھا، جب مع اپنے دیگر رفقاء وسرداران قریش کے پابہ جولاں حاضر ہو کر معافی چاہتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھتے ہیں:

''آج تم مجھ سے کیا امید رکھ سکتے ہو؟''

سب بہ یک زبان جواب دیتے کہ ہمارے جرم ہمارے سامنے ہیں، ہم نے جو جو سلوک آپ سے روا رکھے سب یاد ہیں، اب جو سزا آپ چاہیں ہمیں دے سکتے ہیں، مگر سنا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾

''اللہ کی قسم! بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور یقیناً ہم خطا کار اور قصوروار ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنس کر فرمایا: جاؤ میں بھی حضرت یوسف رضی اللہ عنہ ہی کی طرح کہتا ہوں:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾[4]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب، حديث: 4072

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب، حديث: 4072، والسيرة النبوية لابن هشام: 498/2 وفتح الباری: 352/7

[3] الرحيق المختوم، ص: 553

[4] تفسیر در المنثور: 34/3۔ واتحاف السادة المتقين: 41/8

''آج تم پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔ اللہ تم کو بخش دے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ مہربان ہے۔''

بے شک یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ اپنے دشمن سے بھی محبت کرو، یا اس کے گناہ بخش دو، مگر اس پر عمل کر کے دکھانا بہت ہی مشکل ہے۔ اور یہ اسی ذاتِ ستودہ صفات کا کام ہے جسے خداوند عالم نے رحمت عالمیان بنا کر بھیجا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ملوک عالم اور فاتحین دنیا نے انسانی خون کی ارزانی اور مجبور و بے گناہ انسانوں کی تباہی کو جائز رکھا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس شاندار رویہ اور بہترین سلوک کو سامنے دیکھو کہ ایک جواز سے بھی ثابت صورت میں فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے۔ بلکہ دنیا کے سامنے عفو و کرم اور درگزر و رحم کی وہ مثال پیش کرتے ہیں جو دنیا کا کوئی فاتح نہیں پیش کر سکتا۔

دوسرے فاتحین کا رویہ

سکندر اعظم نے ایران کو جس طرح تہ و بالا کیا، چین کو جس طرح کچلا، ترکستان پر جو کچھ ہوا، تاریخی صفحات میں اب تک موجود ہے۔

نپولین بونا پارٹ دنیا کا سب سے بڑا فاتح سمجھا جاتا ہے۔ مگر فتح ٹولون، فتح پرتگال، فتح اسپین پر اس نے جو غضب ڈھایا وہ خون خوار درندوں سے کم نہیں ہے۔

دیگر فاتحین نے بڑے بڑے ملک اور شہر فتح کیے مگر کس طرح؟ جس شہر یا گاؤں میں گئے، اسے خوب لوٹا یا آگ لگا دی۔ بچے بوڑھے سب تہ تیغ کر دیے۔ عورتوں کی عصمت دری کی۔ اور بھیڑیوں کی طرح رعیت پر ٹوٹ پڑے۔

ڈین پول کی رائے

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتح مکہ پر اسلام کے شدید ترین دشمنوں جو رائے لکھی ہے، ان میں سے صرف ایک ڈین پول کی رائے ملاحظہ فرمالیجیے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مکہ والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لیے یہ وقت خون خواری دکھانے کا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں تھے اور پوری طرح ان سے انتقام لیا جاسکتا تھا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے تمام قصور معاف کردیے۔اورفوج اس قدر سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی کہ گویا نئی بات ہی نہ تھی۔اور نہ ہی کوئی گھر لوٹا گیا۔''

''ڈین پول'' جیسا عیسائی مورخ کس حیرت سے لکھتا ہے کہ نہ کوئی گھر لوٹا گیا۔کیونکہ فتح کے موقع پر لوٹ مار اور کشت وخون ایک معمولی بات ہے جو عام طور پر فوجیوں کے ہاتھوں ہو ہی جاتی ہے۔

اسی طرح سر ولیم میور جیسے مخالف کو بھی فتح مکہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داد دینی پڑی ہے۔

فاتح عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام طور پر عادت مبارکہ تھی کہ جس علاقے کی طرف رخ کرتے اور جہاں داخل ہوتے، پہلے یہ دعا فرمایا کرتے:

''اے اللہ! ہم تجھ سے اس بستی کی اور اس بستی میں رہنے والوں کی اور اس کی تمام چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔اور ان سب چیزوں کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔''[1]

فاتح عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی قوم کو ہدایت

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قول کو عملی جامہ پہنا کر بھی دکھا دیتے، اور اپنی فوج کو حکم دیتے ہیں:

- قیام وہاں کرنا جہاں بستی والوں کو تمہاری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔
- جو مقابلہ پر آئے اسے لڑنا۔
- بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ہرگز تلوار نہ اٹھانا۔
- گوشہ نشینوں، عبادت خانوں میں بیٹھنے والوں کو نہ چھیڑنا۔
- جو اطاعت قبول کرے انہیں امان دینا۔

---

[1] صحیح ابن خزیمة، حدیث:2556، وصحیح ابن حبان، حدیث:2377

❁ باغوں اور کھیتوں کو خراب نہ کرنا۔[1]

❁ جب وہ (مسلمان ہو جائیں اور) زکوٰۃ اور صدقہ دے دیں تو ان کے باقی مال سے تعرض نہ کرنا۔

❁ اور ان کی زکوٰۃ اور صدقات کو انہی کے امراء سے لے کر غرباء میں تقسیم کر دینا۔[2]

کیا دنیا میں کوئی اس قسم کا فاتح گزرا ہے جس نے اپنی فوج کو اس طرح کی ہدایات دی ہوں؟ اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے کی خاطر ملک فتح کیا ہو؟

یقیناً نہیں، اس سلسلے میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیدیوں سے سلوک

ایک دوسری چیز جو کسی فاتح میں خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس کا سلوک فوجی قیدیوں کے ساتھ کیسا رہا۔ یعنی مخالفین کے جو لوگ اثنائے جنگ میں قید ہو گئے، یا بعد فتح بحیثیت قیدی اسیر ہوئے، ان کے ساتھ وہ فاتح کس طرح پیش آتا رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا جس قدر فاتحین اس وقت ہمارے سامنے ہیں ان میں سے ایک بھی ہمیں نظر نہیں آتا جو قیدیوں سے بحسن سلوک پیش آیا ہو۔ اور اس نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا ہو۔ اور بلا چوں و چرا انہیں معاف کر دیا ہو، بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جو سب سے بڑے فاتح تھے وہ دشمن کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کرتے رہے اور قیدیوں پر مظالم ڈھاتے رہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے اور علاقوں کے علاقے فنا کرتے رہے۔

قیدیوں کے بارے میں دنیا کا دستور

خود عرب کا یہ دستور تھا کہ اسیران جنگ کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور دوران جنگ وہ حرکتیں کی جاتیں کہ انسانیت کو شرم آتی تھی۔

---

[1] موطا امام مالک، 2/447-448، موقوفاً عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

[2] صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث: 1395، وصحیح مسلم، الأیمان، باب الدعاء إلی الشهادتین، حدیث: 19

وہ اسیران جنگ کے دو ہی مصرف سمجھتے تھے۔ یا تو انہیں قتل کر دیتے یا غلام بنا لیتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں صورتوں کو ناپسند فرمایا۔ اوران سب قیدیوں کو یا تو مفت ہی چھوڑ دیا یا معمولی فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔[1] اور یاد رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں سے قبل کبھی بھی قیدیوں سے یہ سلوک نہ ہوا تھا۔ بلکہ عرب چھوڑ کر ساری دنیا میں بھی یہ نہ ہوتا تھا۔ اور ہر ملک میں اسیران جنگ کے ساتھ دو ہی سلوک کیے جاتے تھے، قتل یا غلامی۔

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئین عرب میں اس نئے قانون کا اضافہ فرمایا کہ جنگی قیدیوں کو مفت کا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے یا تبادلہ کر لیا جائے۔

آج بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس قدر زیادتی اور بڑھ گئی ہے کہ تاوانِ جنگ ہزیمت خوردہ فریق پر اس قدر ڈال دیا جاتا ہے اور طرح طرح کی پابندیاں ایسی عائد کر دی جاتی ہیں کہ پھر اس کا ترقی کرنا اور ابھرنا محال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ جنگ یورپ کا خاتمہ جن اندوہناک نتائج پر ہوا وہ عالم انسانیت کے لیے ہمیشہ وجہ ماتم بنا رہے گا۔ جرمنی پر اس قدر تاوان عائد کیا گیا اور ایسی شرائط اس پر لگا دی گئیں کہ شائد اب سو برس تک بمشکل پنپ سکے گا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ کھربوں پونڈ تاوان بھی اس کے ذمہ ڈال دیا گیا۔ اور فوج پر پابندیاں لگا دی گئیں کہ محدود تعداد سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ (یہ پہلی جنگ عظیم 1914ء کا تذکرہ ہے)۔

اس کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک مخاطم وحریف فریق کے ساتھ دیکھو کسی جنگ میں بھی اس قسم کی پابندیاں عائد نہیں کی گئیں اور نہ ہی کسی سے تاوان جنگ وصول کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسیرانِ جنگ سے مروت

اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو سلوک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً تمام قیدیوں کا رہا فرما دیا۔ بعض سے برائے نام فدیہ لیا اور بہتوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا فرما کر ان کو رہا کر دیا۔ اجمالی ذکر ملاحظہ ہو:

---

[1] تفسیر ابن کثیر تحت سورۃ محمد 47، آیت: 4

دشمن قیدی کا بیان

1 سب سے پہلے غزوہ بدر میں 72 قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، حضور ﷺ نے دو دو چار چار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے۔ اور ارشاد فرمایا کہ انہیں آرام کے ساتھ رکھنا۔

2 صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گزر بسر کرتے تھے۔ ان میں ایک قیدی کا بیان ہے:

''مجھ کو جن انصار نے اپنے گھر میں رکھا، جب کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ مجھ کو شرم آتی۔ اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں رکھ دیتا لیکن وہ بہ اصرار مجھے یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ ہمیں حضور ﷺ کا حکم یہ ہے کہ ہم تمہیں مہمانوں کی طرح عزت و احترام سے رکھیں۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک رائے

3 انہی قیدیوں میں سے ایک شاعر تھا، جو عام مجمع میں حضور ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یا رسول اللہ ﷺ! اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیے تاکہ پھر اچھی طرح بول نہ سکے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، نہیں!! ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آج ہم اس کے عضو بگاڑیں گے تو کل اللہ تعالیٰ ہمارے عضو بگاڑ دے گا۔[2]

یعنی سرورِ کونین ﷺ نے دشمنوں پر زیادتی پسند نہ کی۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مشورہ

4 پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مجلس شوریٰ) سے مشورہ لیا کہ (تمہاری ان قیدیوں سے

---

[1] سیرت ابن ہشام، 2/460-461

متعلق کیا رائے ہے؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''فدیہ لے کر سب کو رہا کر دینا چاہیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ کفر و شرک کے امام ہیں۔ خدا نے ہم کو ان پر غلبہ دیا ہے۔ اس لیے مسلمان کے خون کا اور ان پر انہوں نے جو جو ظلم کیے تھے۔ ان کا قصاص و انتقام لینا چاہیے۔ ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، جو آئینہ رحمت تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو پسند فرمایا۔ اور سب سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے پایاں لطف و کرم

یاد رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بحیثیت فاتح ہونے کے کل **6564** قیدی پیش ہوئے۔ جن میں سے صرف دو کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا اور باقی سب کو از راہ لطف و کرم رہا کر دیا۔ اور لطف یہ کہ ان قیدیوں پر کسی قسم کی پابندی بھی عائد نہیں کی۔ مثلاً یہ کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف سازش نہ کرنا یا ان کے دشمنوں کو مدد نہ دینا یا ان کے دشمنوں مقابلہ میں ان کی مدد کرنا وغیرہ اس قسم کی کوئی بھی شرائط عائد نہیں کی۔

غزوہ بنی مصطلق کے قیدی

5 اسیرانِ جنگ بدر کے غروہ بنو مصطلق میں ایک سو نوے (**190**) قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ مگر ان سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کسی فدیہ اور معاوضہ کے رہا کر دیا۔ ان قیدیوں کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے ہمارے ساتھ بچوں کا سا سلوک کیا یعنی جس طرح بچوں کی راحت و آرام کا لحاظ رکھا جاتا ہے ویسا ہی ہمارے آرام کا خیال رکھا۔ [2]

---

[1] سیرت ابن ہشام: 243/3

[2] سیرت ابن ہشام، 307-308/3

غزوہ حنین کے قیدی

سب سے زیادہ اور سب سے بڑی قیدیوں کی تعداد غزوہ حنین میں آئی تھی۔ یعنی چھ ہزار مرد و زن اسیر ہوئے تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ کے قریب ہی قیام فرما تھے۔ اور مال غنیمت کو تقسیم نہیں فرمایا تھا کہ قبیلہ ہوازن جس نے حملہ کیا تھا، اس کے چھ سردار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رحم کی درخواست پیش کی۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حیات مکی کے زمانہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے تھے اور اس قدر سنگ باری کی تھی کہ جسم اطہر لہولہان ہو گیا تھا۔ اور پاؤں سے آپ نے جوتا اتارنا چاہا تو وہ خون سے جم گیا اور پاؤں سے نہ اترتا تھا، ان سنگ دلوں نے اس قدر پتھر مارے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے کندھوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر لائے تھے۔ بہرحال یہ لوگ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رحم کی اپیل کی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحمت ورأفت

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب سنو اور انصاف سے کہو کہ سوائے اس شخص کے جس کو حق تعالیٰ نے رحمت عالم وعالمیان بنا کر بھیجا ہو اور جس کو رب العالمین نے رؤف رّحیم کے خطاب بلند سے مخاطب فرمایا ہو کوئی اور بھی ایسا جواب دے سکتا ہے۔؟

جب ان لوگوں نے رحم کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میں تمہارا انتظار کر ہی رہا تھا۔“

واقعہ یہ تھا کہ حصول فتح کے بعد دو ہفتہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انتظار میں مال غنیمت کو بھی تقسیم نہ فرمایا تھا۔ اور اسی جگہ قیام فرما تھے۔ (اللہ اللہ! کیا شان رحمت ورأفت تھی کہ ان دشمنوں پر لطف وکرم فرمانے کے لیے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، آپ انتظار فرما رہے تھے)۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کہ میں اپنے حصہ کے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدی بآسانی چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ انصار ومہاجر ہی ہوتے تو سب کو چھوڑ دینا مشکل نہ تھا۔ مگر تم دیکھتے

ہو کہ اس لشکر میں میرے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔ اس لیے تم لوگ کل صبح نماز کے بعد آنا۔ اور مجمع عام میں اپنی درخواست پیش کرنا، اس وقت کوئی صورت نکل آئے گی۔''

چنانچہ دوسرے دن وہ سردار آئے، ان قیدیوں کی درخواست رحم پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں اپنے اور بنوعبد المطلب کے حصے کے تمام قیدی بغیر کسی معاوضے کے آزاد کرتا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ سن کر بھلا وہ انصار ومہاجرین کس طرح انکار کر سکتے تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر جانیں قربان کیا کرتے تھے۔ سب بول اٹھے:

''ہم بھی اپنے اپنے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ اور شرط کے آزاد کرتے ہیں۔''

اب وہ لوگ رہ گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اور ان میں سے زیادہ تعداد غیر مسلموں کی تھی۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل بہت ہی عجیب وغریب معلوم ہوا کہ دشمن کے قیدیوں کو بلا شرط اور بغیر معاوضہ کر رہا کر دیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے تو کبھی ساری عمر یہ طرز عمل دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تو یہ جانتے تھے کہ کہ قیدی صرف اس لیے ہے کہ قتل کر دیا جائے یا غلام بنا کر رکھا جائے، یا فروخت کر ڈالا جائے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے قیدیوں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور گفتگو کے بعد ہر ایک قیدی کا معاوضہ چھ اونٹ قرار پایا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی قیمت عطا فرمادی۔ اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ ان تمام قیدیوں کو اپنے پاس سے چھ ہزار جوڑے مصری لباس کے پہنا کر رخصت فرمایا۔ [1]

حاتم طائی کی بیٹی سے سلوک

6 اسی طرح ایک جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی گرفتار ہو کر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کمال عزت واحترام سے رکھا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کا (باسی) آجائے تو تمہیں اس کے ساتھ رخصت کر دوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اور اس کے تمام خاندان کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ [2]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح:201/5،والرحيق المختوم،ص:428

[2] البيقهى في دلائل النبوة:5/341-342،وسيرت ابن هشام:4/225-226

قیدیوں پر مزید احسان

7 حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب دوسرے قیدیوں کے ساتھ ایک قیدی کی حیثیت سے پیش ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پہلی رات سب کی مشکیں باندھ دیں، تاکہ بھاگ نہ جائیں، چونکہ سب قیدی مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیے گئے تھے، اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے اٹھے تو کراہنے کی آواز سنی۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی مشکیں ذرا زور سے باندھ دی گئی ہیں اور وہ شدت درد سے بلبلا رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حکم دیا کہ ''ان کی مشکیں کھول دو تاکہ ان کو تکلیف نہ ہو۔''[1]

جارج سیل کی رائے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کی تکلیف کو جس قدر محسوس کیا، اسے دیکھ کر جارج سیل جیسا کٹر عیسائی مورخ لکھتا ہے:

''دنیا میں اسلام کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال موجود نہیں، اسے نہ صرف عربوں نے قبول کیا، بلکہ جہاں کہیں اس کا غلغلہ بلند ہوا، وہیں گردنیں جھک گئیں۔ لیکن کیوں؟ اسلام کی تعلیم کے لیے جو شخص مقرر ہوا تھا، اس کے پہلو میں ایسا دل تھا جو اپنے جیسے انسانوں کی مصیبت دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔'' سچ ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاء

''فضیلت وشرف تو یہ ہے کہ جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔''

چنانچہ غیر مسلم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، اور اس بات پر ذرا مبالغہ نہیں کہ آپ جیسا کامیاب اور ہمہ صفت موصوف فاتح آج تک ہوا ہے نہ قیامت تک ہوگا۔

---

[1] سیرت ابن ھشام:299/2،وما بعد،وتاریخ الطبری:2/460-461

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شوہر کی حیثیت میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کل گیارہ نکاح کیے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔ [1]
2. دوسرا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 50 سال کو پہنچ چکی تھی اور حضرت سودہ بھی 50 سال ہی کی تھیں۔ یہ نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ہوا۔ [2]
3. تیسرا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جو درحقیقت منجانب اللہ تھا۔ کیونکہ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''میں تین شب تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ حریر سفید کے پارہ پر تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا تھا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں تصویر کا پردہ اٹھا کر چہرہ دیکھتا تھا جو بالکل تیرا ہی چہرہ ہوتا تھا۔ میں یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ اطلاع اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا بھی کر دے گا۔'' [3]

---

[1] طبقات ابن سعد:1/129-132،

[2] طبقات ابن سعد:8/53،والاصابة:4/338

[3] صحيح البخاري،كتاب التعبير،باب كشف المرأة في المنام،حديث:7011-7012 ،وصحيح مسلم،فضائل الصحابة،باب فضائل عائشة أُم المومنين،حديث:2438

4 چوتھا نکاح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا یہ بیوہ ہو کر حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ [1]

5 پانچواں نکاح حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، یہ بھی بیوہ تھیں۔ بعد نکاح صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ [2]

6 ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو کر آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، یہ قدیم الاسلام تھیں۔ [3]

7 اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان بھی قدیم الاسلام تھیں۔ ان کا شوہر عبداللہ بن جحش مرتد ہو گیا تھا۔ یہ حبشہ ہی میں تھیں کہ نبی کریم ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ نجاشی امیر حبشہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ وکیل حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایجاب وقبول کیا اور وہیں نکاح ہوا۔ [4]

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رات ہی خواب میں کسی نے ''ام المومنین'' کہہ کر پکارا تھا۔ وہ اس پر حیران تھیں کہ صبح ہی حضور ﷺ کی طرف سے شادی کا پیغام مل گیا۔

8 زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مطلقہ ہو کر حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ان کی پہلی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو حضور ﷺ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رسم تبنیت (یعنی منہ بولے بیٹے کے حقیقی بیٹا کی مانند ہونے کی رسم) کو توڑ کر حکماً حضور ﷺ کو اس نکاح پر مجبور کیا۔ بوقت نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر **36** سال تھی۔ [5]

9 حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں، بوقت نکاح ان کی عمر **20** سال کی تھی۔ یہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ [6]

10 حضرت صفیہ بنت حیییّ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، دو دفعہ بیوہ ہوئیں۔ جب حضور ﷺ

---

[1] صحيح البخاري،النكاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته ،حديث:5122

[2] الإصابة:4/315-316

[3] سنن النسائی،النكاح،باب إنكاح الا بن أمه،حديث3256

[4] الإصابة:4/305-306

[5] صحيح البخاري،تفسير سورة الأحزاب،حديث:4787،مختصراً، والإصابة:4/313-314

[6] الإصابة:4/265

سے نکاح ہوا تو ان عمر **17** سال تھی۔[1]

9 **حضرت میمونہ** رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نکاح تھا، جو ذیقعدہ **7** ھ میں ہوا۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک **59** سال تھی۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو کنیزیں بھی تھیں جن کا مختصر بیان یہ ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا: ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مصر سے شاہ مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجی تھیں۔ یہ **6** ہجری میں حاضر ہوئیں اور **16** ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ بڑی لائق اور باسلیقہ خاتون تھیں۔ انہیں کے بطن سے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جو اٹھارہ ماہ زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔[3]

حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا خاندان بنی نضیر یا بنو قریظہ سے تھیں۔[4] اور بطور کنیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں۔ اور **10** ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بڑی زیرک اور دانا تھیں۔[5] مورخین نے ایک نام نفیسہ بھی بتایا ہے۔[6] زرقانی نے ایک چوتھی بھی لکھی ہے مگر نام نہیں بتایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازدواج کے اسباب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب نکاح کسی نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں کیے بلکہ مشیئت الٰہی اور مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے کیے۔ عالم شباب یعنی **25** سال سے **50** سال کی عمر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیوی سے بسر کی۔ اور بیوی بھی وہ جو بیوہ ہونے کے علاوہ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے **15** سال بڑی تھیں۔ صرف

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ۔ حديث: 371، وصحيح مسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته، حديث: (84)1365۔

[2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب تزويج المحرم، حديث: 1837، مختصراً، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم، حديث: 1410، مختصراً، وانظر الإصابة: 4/411-412۔

[3] الاصابة: 4/404-420

[4] یہ اختلاف مراجع ہی میں ہے البتہ اکثر نے ریحانہ رضی اللہ عنہا کا ذکر بنو قریظہ سے بتایا ہے (أسد الغابة: 1/1355 (ن۔ف)

[5] الإصابة: 4/309

[6] الإصابة: 4/420

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کا آخری پانچ سالہ زمانہ ایسا ہے جب کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حجرات آباد ہوئے۔اس لیے اب ہر شخص غور کرسکتا ہے کہ اس کے وہ خاص اسباب کیا تھے۔خصوصا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرما دیا ہو کہ

«مَالِي في النساء من حَاجةٍ»
''مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔''[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ نکاح کسی خواہش نفسانی کی بنا پر نہ تھے جیسا کہ بعض مستشرق اور لادین عناصر کہا کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کے نکاح بڑے مصالح اور منافع رکھتے تھے۔غور کرنے سے آپ کے کثرتِ ازدواج کے متعدد مصالح سامنے آتے ہیں، مثلاً:

1. بیوہ عورتوں کی اشک شوئی اور دل جوئی پیش نظر تھی۔اور بیوگان کے نکاح میں خواہ مخواہ کی رکاوٹ کو دور کر کے انہیں اذیت ناک زندگی سے نجات دلانا مطلوب تھا۔
2. عورتوں کو ممتاز مقام عطا کرنے کی خواہش تھی۔
3. عورتوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت مطلوب تھی۔
4. مختلف قبائل سے مراسم بڑھانا مقصود تھا۔اوران سے دشمنیاں دور کرنے کا راز مضمر تھا۔
5. امت کو بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔

---

[1] صحیح البخاری ،فضائل القرآن،باب خیر کم من تعلم القرآن،حدیث :5029،اس روایت کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ ایک خاتون نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: میں اپنا آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا وہ بیٹھ گئی۔(صحیح بخاری،حدیث:5087)دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے،اس سیاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاجت نہیں بلکہ یہ تھا کہ اس جیسی خواتین کی ضرورت نہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند آجاتی تو آپ اس سے نکاح کر لیتے۔لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اس طرح کی ہوں تو مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے(فتح الباری:9/ 249)ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے آج کل عورتوں کی ضرورت نہیں۔اس کی تائید صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں موجود ان الفاظ سے ہوتی ہے«مالی الیوم فی النساء حاجة»دارالسلام کی مطبوع فتح الباری میں بھی یہی الفاظ ہیں۔جن کا مطلب ہے کہ مجھے آج کل خواتین کی ضرورت نہیں ہے۔(ن۔ف)

6 عرب میں نکاحِ بیوگان کو منحوس خیال کیا جاتا تھا اور متبنیٰ کی بیوی کو بہو کا درجہ دیا جاتا تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان رسوماتِ بد کا خاتمہ مطلوب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح بیوگان سے عورتوں کے لیے رحمت و شفقت کا چتر سایہ فگن کھول دیا۔ اور ان کے یاس وقنوطیت سے بجھے ہوئے دلوں میں مہر و محبت اور روشن مستقبل کے دیپ روشن کر دیے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش ہے نہ کتاب کا یہ موضوع ہے۔ بہر حال اس بات کا کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازدواج میں متعدد قومی، دینی، سیاسی اور ملی فوائد و مصالح تھے جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قدر نکاح کیے ان کی بنیادی فوائد دین، مصالح ملک، اور مقاصد قومی و ملی پر مبنی تھی۔ اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس دورِ انحاط میں اور عرب جیسے جاہلیت پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج (نکاح) کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔

اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ایک نکاح پر تفصیلی بحث کریں اور آپ کو یہ بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کس کس نکاح میں کیا کیا حکمت تھی تو یقیناً آپ کو اقرار کرنا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بعض ضروریات دینی اور مصالح ملکی کی بنا پر ایسا ہی کرنا ضروری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہ کرتے تو یقیناً بہت سی مصلحتوں سے ملک، وطن، قوم اور اسلام کو محروم ہونا پڑتا اور اگر ایسا کرنا اس مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے منافی تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہو۔

مگر یہ موقع نہیں کہ اس موقع پر بحث کریں۔ ہم تو اس وقت صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثیر المشاغل ہونے کے باوجود ازدواجی زندگی کس طرح بسر کی۔ امت کے لیے اصلاح معاشرت کے متعلق کیا اسوۂ حسنہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ کس سلوک سے پیش آئے اور ہمارے لیے کیا نمونہ قائم فرما گئے۔؟

ازواج رضی اللہ عنہن سے حسن سلوک

دنیا کہا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ایک ''خوب صورت سانپ'' بنا کر پیدا کیا ہے۔ اور انسان کو ہوشیار کیا ہے کہ اس کی خوب صورتی کی طرف نہ دیکھے بلکہ اس کے زہر سے بچے۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بیویوں سے محبت کروں اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھوں۔اور جو رحمتیں اس نے مجھ پر کی ہیں، ان میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ میرے دل میں اپنی بیویوں سے محبت پیدا کردی ہے۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیمتی ارشادات

دنیا کہتی تھی کہ تم اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو چھوڑ دو اور اہلی تعلقات (گھریلو تعلقات) کو اکھاڑ کر پھینک دو، تب تم اللہ سے مل سکو گے۔مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم اپنے اہل ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مل سکتے ہو اور اگر بیوی بچوں کو چھوڑ دو گے تو اللہ سے بھی دور ہو جاؤ گے۔آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

«لَارَهْبَانِيَّةَ فِي الإسلام»

''ترک فرزند وزن اسلام میں نہیں۔''[2]

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے

«لا رهبانية فينا» ''ہم میں ترک دنیا نہیں۔''

کے الفاظ نقل کیے ہیں۔[3]

دنیا کا خیال تھا کی عورت مکر وفریب کا پتلا ہے اس سے دور رہنا چاہیے، مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عورت حیا اور وفا کا مجسمہ ہے اس سے محبت کرنی چاہیے کہ اس کی محبت ہی سے انسان انسان بن سکتا ہے۔''

الغرض یہ ارشادات صرف کہنے کو نہیں تھے بلکہ کر کے دکھا دیے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»[4]

---

[1] حدیث کے الفاظ یہ ہے: (حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ) ''مجھے بیویوں کی محبت ودیعت کی گئی ہے۔'' سنن النسائی،عشرة النساء، باب حب النساء،حديث :3391۔(ن،ف)

[2] كشف الخفاء للعجلوني :377/2

[3] مستدرک حاکم :204/2 ورجاله رجال الصحيح كما فى الزوائد وصححه الحاكم

[4] جامع الترمذي۔المناقب،باب فضل ازواج النبى صلی اللہ علیہ وسلم حديث :3895

’’سب لوگوں سے اچھا وہ ہے، جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو، اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔‘‘

بیویوں سے طرزِ عمل

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک شوہر کے لیے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ اس کا مزاج شناس ہو، اس کے جذبات واحساسات کا احترام کرتا ہو۔ اس سے محبت ودل داری کا طریق جانتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور بھاری ذمہ داریوں کے باوجود روزانہ بعد نماز عصر ہر ایک بیوی کے پاس اس کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ان کی ضروریات معلوم فرماتے۔ اور بعد نماز از مغرب سب سے الگ الگ مختصر ملاقات فرماتے اور شب کو مساویانہ طور پر نوبت بہ نوبت ہر ایک گھر میں استراحت فرمایا کرتے تھے۔[1]

ہر ایک بیوی کی رہائش کا مکان الگ الگ تھا اور سب مکان، جن کو اللہ پاک نے اَلْحُجُرَاتِ[2] بُیُوتَ النَّبِيِّ[3] بُیُوْتِکُنَّ[4] فرمایا ہے، باہم پیوستہ تھے۔ مکان نہایت مختصر تھے اور اثاثۃ البیت (فرنیچر) اس سے بھی زیادہ مختصر ہوتا تھا۔ اور تکلف نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

ازواج میں رضی اللہ عنہن مساوات

فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیوی[5] کے لیے **80** وسق کھجور اور **20** وسق جو سالانہ مقرر

---

[1] سنن أبي داؤد، النكاح، باب القسم بين النساء: 2135-2136۔ نیز دیکھیے: زاد المعاد: 152/1

[2] الحجرات: 4:48

[3] الاحزاب: 53:33

[4] الاحزاب: 33:33

[5] حدیث کے الفاظ ہیں: ﴿ فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ، ثَمَانون وَسْقً تَمْرٍ وَعِشْرون وَسْقًاشَعِيْرٍ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج کو 100 وسق (سالانہ) دیا کرتے تھے۔ ان میں سے 80 وسق کھجوروں کے اور 20 وسق جو کے ہوتے تھے۔ اس سے بعض نے یہ سمجھا کہ ہر ایک بیوی کے لے 100 / 100 وسق دیتے تھے مگر درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں 100 وسق تقسیم ہوتے تھے۔ کیونکہ الفاظ حدیث سے یہی مفہوم نکلتا ہے۔ یاد رہے! 80 وسق کے 300 من بنتے ہیں اور 20 وسق کے 67.5 من 9 ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد پر اسے تقسیم کریں تو ایک زوجہ محترمہ کو سالانہ 33 من کھجوریں اور 7.5 من جو ملتے تھے۔ واللہ اعلم (ن۔ف)

کر دیے تھے۔[1] دودھ کے لیے ہر ایک بیوی کو ایک ایک ناقہ شیر دار (دودھ والی اونٹنی) ملا کرتی تھی۔ مگر وہ بھی حضور ﷺ کے رنگ سخا میں اس قدر رنگی جا چکی تھیں کہ مایحتاج (بہت ضروری سامان) کے علاوہ جو بھی کچھ ہوتا سب رانڈوں اور یتیموں میں تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔

حضور ﷺ، کھانے، پینے مکان اور گزارہ و ملاقات وغیرہ جملہ امور میں ہر ایک بیوی کے ساتھ ایسے عدل وانصاف اور مساویانہ سلوک سے پیش آیا کرتے تھے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظر محال ہے۔

حضر میں سب بیویوں کے ہاں روزانہ قیام کی باری مقرر تھی مگر سفر میں روانگی کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو آپ ﷺ ساتھ لے جاتے۔[2] اس طرح دوسری بیوی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا تھا۔

بیویوں کی دل داری

حضور ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم فرمایا کرتے۔ اور رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سو گئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔ اور آپ ﷺ کا یہ پیارا انداز سب کے لیے تھا۔ آپ ﷺ ان کی دل داری اور عطوفت کا بہت لحاظ رکھتے۔ کام کاج میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اگر وقت پر کوئی کام نہ ہوتا تو ناراض نہ ہوتے بلکہ نرمی سے سمجھاتے۔ ان کے دکھ درد میں برابر شریک رہتے۔ ان کی خوشی کے ساتھ اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دل داری

ایک دفعہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے آئے۔ ان دونوں بہن بھائی کا آپس میں بہت پیار تھا، وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ام حبیبہ رضی اللہ عنہا! کیا معاویہ رضی اللہ عنہ تمہیں بہت پیارا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، الحرب والمزارعة ،باب المزارعة بالشطر، حديث:2328، وصحيح مسلم، المساقاة، باب المساقاة: حديث:1551

[2] سنن أبي داؤد، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث:2138

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھائی مجھے بہت پیارا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر یہ تمہیں بہت پیارا ہے تو مجھے بھی بہت پیارا ہے۔''[1]

اب غور فرمایئے بیوی کا دل اس جواب کو سن کر کس قدر خوش ہوا ہوگا کہ میرے رشتہ داروں کو یہ غیریت کی نگاہ سے نہیں بلکہ میری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مجھ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ جو مجھے جس قدر پیارا ہو اسی قدر ان کو بھی پیارا ہوتا ہے۔ گویا:

من تو شدم تُو من شدی
من تن شدم تُو جاں شدی

کا پورا پورا نظارہ پیش ہو رہا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دل داری

جوانی کی حالت میں طبعاً محبت کے جذبات زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ اور ایسا شخص دوسرے کی طرف سے بھی محبت کا زیادہ مظاہرہ چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نفسیات کے کامل ترین ماہر تھے، اس جہت سے بھی اپنی بیویوں کے مزاج کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب بیویوں سے عمر میں چھوٹی تھیں) کسی برتن سے منہ لگا کر پانی پیا۔ جب وہ پانی پی چکیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس برتن کو اٹھایا اور اسی جگہ منہ لگا کر پانی پیا، جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیا تھا۔[2]

یہ باتیں گو ہمارے نزدیک کوئی زیادہ وزن نہ رکھتی ہوں۔ مگر زوجین کے تاثرات طبعی کو سمجھنے اور علم النفس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے میاں بیوی کے تعلقات پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے۔[3]

---

[1] سير أعلام النبلاء:3/129-130 بأختلاف يسير

[2] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، حديث: 3001

[3] سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہماری کتب سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا از مولانا عبدالمجید سوہدری رحمہ اللہ اور عفیفہ کائنات رضی اللہ عنہا از مولانا ادریس فاروقی رحمہ اللہ کا مطالعہ فرمائیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن حضورﷺ گھر میں بیٹھے اپنی نعل کو پیوند لگا رہے تھے۔میں پاس ہی بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں۔میں نے دیکھا کہ حضورﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ رہا ہے۔اوراس پسینے کے اندرایک نورا ُبھر رہا ہے۔اور بڑھ رہا ہے۔یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی۔ جب حضورﷺ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا:

''عائشہ! تو حیران سی کیوں ہو رہی ہے؟''

میں نے کہا: ''یا رسول اللہﷺ! میں نے دیکھا ہے کہ حضورﷺ کی پیشانی پر پسینہ ہے اور پسینے کے اندر ایک چمکتا نور ہے جسے دیکھ کر میں سراپا چشم بن گئی ہوں۔اور ابو کبیر ہذلی کے ان اشعار کا آپ ہی کو مصداق سمجھتی ہوں۔واللہ! اگر ہذلی آپ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ آپ کے سوا اس کا صحیح مصداق کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

نبیﷺ نے فرمایا: ''وہ شعر کیا ہیں؟''

میں نے وہ شعر پڑھ کر سنائے:

وَمُبَرَّأً مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُغْيَلِ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

نبیﷺ نے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے رکھ دیا۔میری پیشانی کو چوما اور فرمایا:

«مَا سَرَرْتِ مِنِّي كَسُرُورِي مِنْكِ»

''جو سرور مجھے تیرے کلام سے حاصل ہوا وہ سرور تجھے میرے نظارہ سے نہ ہوا ہوگا۔''

یعنی تو نے مجھے نہایت مسرور اور خوش کر دیا۔[1]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي :422/7،وتاريخ بغداد :13/252-253،والسلسلة الضعيفة،حديث :4144،اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔:''وہ مخصوص ایام جیسی آلائشوں سے پاک، دودھ پلانے والی کی کسی بھی خرابی سے محفوظ اور ہر بیماری سے بچا ہوا ہے۔لہٰذا جب آپ اس کے چہرے کے خطوط کو دیکھیں گے تو ایسے لگے گا جیسے سفید بادل میں بجلیاں کوندرہی ہوں۔'' (ن۔ف)

ازواج رضی اللہ عنہن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الفت

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو تعلیم دینے کے لیے اپنی بیویوں سے محبت کیا کرتے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شیفتگی وعشق تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم سفر تھیں۔اس روز حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سواری کا اونٹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ سے تبدیل کرلیا۔راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی طرف گئے، جس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔اور انہی کے ساتھ چلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ مفارقت برداشت نہ ہوئی۔جب وہ منزل پر پہنچ کر سواری سے اتریں تو انہوں نے اپنا پاؤں گھاس میں گھسیڑ دیا اور زبان سے کہا:

« يَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِي، رَسُولُكَ وَلاَ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقُولَ لهُ شَيْئاً»[1]

”اے رب! کسی بچھو یا سانپ کو بھیج کہ مجھے کاٹ کھائے۔اور وہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں میں ان کی شان میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھوڑی سی جدائی کا صدمہ ہوا۔اور کچھ سوت کا خیال بھی ہوا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چلنے کی بجائے اس کے ساتھ کیوں چلے؟ لیکن یہ ایک فطری چیز ہے کوئی عیب نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازواج رضی اللہ عنہن سے برتاؤ

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پاک تعلیم کے اثر سے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے سینوں کو اس آلائش سے پاک وصاف کردیا تھا کہ وہ ایک دوسری سے دکھ کریں یا کسی قسم کی رقابت کا خیال میں دل میں لائیں مگر پھر بھی بتقاضائے بشریت کبھی ایسا ہو ہی جاتا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بہترین طریق سے سلجھا دیتے۔مثلاً:

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔پوچھا:

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب القرعة بين النساء، حديث: 5211، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل عائشه رضى الله عنها، حديث: 2445

''کیوں روتی ہو؟''

انہوں نے کہا: ''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے طعنہ دیا ہے کہ تو یہودن ہے۔ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف بیویاں ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برادری میں سے آپ کی ہم پلہ بھی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''واہ! یہ رونے کی کون سی بات ہے؟ تم نے کیوں نہ یہ جواب دیا کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام ہیں، میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔پھر مجھ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟''

بس اتنی سی بات تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا دل خوش ہوگیا۔بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی منع فرمادیا کہ آئندہ ایسا کلمہ کبھی نہ کہنا،جس سے اس کا دل دکھے۔[1]

اسی طرح ایک بیوی نے اپنی سوت کے قدوقامت پر اعتراض کیا اور ہنسی اڑائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بہت ڈانٹا اور فرمایا: کہ یہ اس کا مذاق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے جس نے اسے پیدا کیا۔یاد رکھو! آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی ہوگی۔[2]

نبوی تعلیم کا ازواج رضی اللہ عنہن پر اثر

سوت کی عداوت ایک مشہور عداوت ہے،مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حسن سلوک اور اپنی پاک تعلیم سے اس عداوت ورقابت کو محبت والفت میں بدل دیا تھا۔اور ازواج مطہرات کو ایسا شیر وشکر کر دیا تھا کہ ہر ایک دوسری کو اپنے سے بہتر سمجھتی تھی۔ساری تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرجائیں سوائے ان دو چار واقعات کے آپ کو ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی پر برا اثر پڑا ہو۔اور سوتوں کی باہم جنگ آزمائی رہی ہو۔بلکہ بخلاف اس کے آپ کو ان کے ایسے اقوال واثرات ملیں گے جن سے ان کی خوبیاں ایک دوسری پر نمایاں ہوتی ہوں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے جویریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یوں نقل کی گئی ہے:

---

[1] جامع الترمذي،المناقب،باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم،حديث:3892-3894،

[2] سنن ابی داؤد،الأدب،باب في الغيبة،حديث:4875،وجامع الترمذی،صفة القيامة،باب51،حديث:2502

«فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا»[1]

''میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی کو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے بڑھ کر برکت والی ہو۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شان میں آپ نے یوں فرمایا تھا:

«وَلَمْ أَرَ امْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ،وَأَتْقَى لِلّٰهِ وَأَصْدَقَ حَدِيثًا،وَأَوْصَلَ لِلرَّحِمِ،وَأَعْظَمَ صَدَقَةً»[2]

''میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر دین میں بہتر نہیں دیکھی، وہ اللہ کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی، بہت زیادہ سچ بولنے والی، اقارب سے بڑھ کر سلوک کرنے والی اور بہت زیادہ صدقہ دینے والی تھیں۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں فرمایا:

«مَارَأَيْتُ صَانِعَةَ طَعَامٍ مِثْلَ صَفِيَّةَ»[3]

''میں نے صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی کوئی عورت عمدہ کھانے پکانے والی نہیں دیکھی۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا:

«مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِهَا مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ، مِنْ امْرَأَةٍ

---

[1] سنن أبي داؤد،العتق ،باب في بيع المكاتب،حديث:3931

[2] صحيح مسلم،فضائل الصحابة،باب فضائل عائشة،حديث:2442

[3] سنن أبي داؤد،البيوع،باب فيمن أفسد شيئا يغرم مثله،حديث:3568،وسنن النسائي،عشرة النساء،باب الغيرة،حديث:3409

فِيهَا حِدَّةٌ»[1]

''سودہ رضی اللہ عنہا میں ذرا تیزی تو تھی ورنہ اور کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے قالب میں ہونا مجھے سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیارا ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنہن کو ہدایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلاح اخلاق کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے، گھر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو عموماً نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری حیثیت اور پوزیشن عام مومنات کی سی نہیں ہے۔ بلکہ میرے تعلق کی وجہ سے تمہیں ایک خاص خصوصیت حاصل ہوگئی ہے۔ اب تمہیں اس کے مطابق اپنے آپ کو بنانا ہے۔

جس طرح میں مومنوں کا روحانی باپ ہوں اسی طرح تم ان کی روحانی مائیں ہو، تم نے ہر رنگ میں دوسروں کے واسطے ایک نمونہ بننا ہے۔ یاد رکھو! اگر تم کوئی غلط طریق اختیار کرو گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں دی دگنی سزا ملے گی۔ کیونکہ تمہارے اس غلط نمونے سے دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔

ازواج رضی اللہ عنہن کو تبلیغ دین کا حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کے فرائض میں یہ چیز داخل کر رکھی تھی کہ وہ دوسری عورتوں کو دین کی تبلیغ کریں۔ احکام الٰہی سکھائیں، توحید وسنت کی گھر گھر اشاعت کریں، عورتوں کی معروضات مجھ تک پہنچائیں، پھر ان کے جواب انہیں سمجھائیں، دینی مسائل بتائیں، میرے جملہ افعال اقوال وعبادات جو حجرات کے اندر ہوں، حفظ واتقان کے ساتھ امت تک پہنچائیں، اور مشکلات علمیہ میں فرزندان امت کی راہنمائی کریں۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور تبلیغ

چنانچہ ازواج مطہرات نے ایسا ہی کیا، سب نے اپنے اپنے حلقہ میں دین کو خوب پھیلایا۔ اپنی اپنی قوم اور برادری کی عورتوں کو اسلام سکھلایا۔ اصلاح رسوم کا کام کیا۔ نشر واشاعت دین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔

---

[1] صحيح مسلم، الرضاعة، باب جواز هبتها نوبتها، حديث: 1463

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شاگردوں کو تین سو اٹھہتر (378) احادیث سکھلائیں۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو علم و تفقہ میں جو سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ فرزندانِ امت کو دو ہزار دو سو دس احادیث پڑھائیں۔ [2] جو اس وقت تک کتب احادیث وصحاح میں موجود ہیں۔ اور آپ کے فتاویٰ شرعیہ، حل مشکلات علمیہ، بیان روایات عربیہ، سیر وواقعات تاریخیہ کا شمار ان کے علاوہ ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے ساری عمر میں معانی قرآن اور احکامِ حلال و حرام اور اشعارِ عرب اور علم الانساب میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ [3]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت تھی کہ جب کوئی نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیش آجاتا تھا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب رجوع کرتے تھے۔ اور ان کے پاس اس کے متعلق علم پایا جاتا تھا۔ [4]

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ باتوں ہی باتوں میں بیویوں کو دینی مسائل سکھاتے جاتے تھے تاکہ وہ پھر امت کو سکھا سکیں۔

بیویوں کو وعظ و نصیحت

ایک دفعہ آپ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نماز صبح کے لیے تشریف لے گئے اور اس وقت یہ مصلّے پر تھیں۔ بوقت چاشت جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو یہ مصلے پر ہی بیٹھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: ''کیا تم اس وقت سے یہاں بیٹھی ہوئی ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے یہاں سے جانے کے بعد چار ایسے کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کو

---

[1] سیر اعلام النبلاء :210/2

[2] سیر اعلام النبلاء :139/2

[3] ابونعیم فی حلیة الاولیاء، 49/2، وسیر اعلام النبلاء :183/2

[4] جامع الترمذی، المناقب، باب من فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث :3883

تمہارے اس سارے ورد وظیفے کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھاری اتریں۔فرمایا وہ کلمات یہ ہیں:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ»[1]

حرم کی روحانی وجسمانی بالیدگی

آپ ﷺ اپنی بیویوں کو صرف گھر کے کام کاج یا ورد و وظائف یا تبلیغ واشاعت ہی کی تعلیم نہ دیا کرتے تھے، بلکہ انہیں جرأت، وہمت اور قوت وطاقت پیدا کرنے والے کام بھی سکھلاتے تاکہ عندالضرورت وہ اسلامی خدمات بھی بجالاسکیں۔اورصرف گھر کی چاردیواری میں بیٹھنا نہ سیکھیں بلکہ رزمیہ کارناموں سے آگاہ ہوں تاکہ اپنی کوکھ سے مجاہدین کو جنم دیں۔

چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا وہ فوجی کرتب دکھایا، جو مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے جنگی تربیت کے خیال سے کرایا گیا تھا۔عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی اوٹ (پردہ) میں دیکھ رہی تھیں۔[2] اور محض اس لیے دیکھ رہی تھیں کہ ان میں جرأت اور سپرٹ پیدا ہوجائے۔

پھر ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑنے کا مقابلہ کیا۔(اور ارادۃً زیادہ تیز نہ دوڑے) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے آگے نکل گئیں جن سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا، پھر دوسری دوڑ میں حضور ﷺ ان سے آگے نکل گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں۔اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

«هَذِهِ بِتِلْكَ»[3]

”لو عائشہ! اب اس کا بدلہ اتر گیا۔“

سبحان اللہ! کیا دل لگی ہے۔آپ ﷺ اپنی بیویوں کا دل بھی بہلا رہے ہیں۔ان سے کھیلتے بھی

---

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعا،باب التسبيح اول النهار،حديث:2726

[2] صحيح البخاري،الصلاة،باب أصحاب الحراب في المسجد،حديث:455،وصحيح مسلم، صلاه العيدين، باب الرخصة في اللعب ،حديث:892

[3] سنن أبي داؤد،الجهاد،باب في السبق على الرجل،حديث:2578

ہیں۔ان کی حفظان صحت کا خیال بھی رکھتے ہیں۔انہیں جرأت اور ہمت پیدا کرنے کا سبق بھی دیتے ہیں۔

غور کیجیے! جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کرتا ہو اور اس کی روحانی وجسمانی بالیدگی کا اس قدر خیال رکھتا ہو، کیا وہاں کسی بدمزگی اور گلے شکوے کو راہ مل سکتی ہے۔؟

اگر ہم اپنے گھریلو حالات بہتر اور گھر کو امن وسکون کا گہوارہ بنانا چاہتے ہوں تو ہمیں بھی فرصت نکال کر اپنی بیویوں کا اسی طرح خیال رکھنا ہوگا۔بیوی کو نوکر نہیں بلکہ اپنی رفیقہ حیات سمجھنا ہوگا۔اس کے حقوق وآداب، اقتضاء اور مزاج کی پوری پاسداری کرنا ہوگی۔یہی سنت اور اسوۂ رسول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزہ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ کندھوں پر مشکیں اٹھائے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں۔پانی ختم ہوجاتا تھا تو پھر مشک بھر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔[1]

آپ جانتے ہیں کہ یہ کون خواتین رضی اللہ عنہن تھیں؟ یہ وہی پردہ نشین اور لائق صد احترام خواتین تھیں جو پردہ کی فلاسفی اور قومی خدمت کے فلسفہ کی ماہر تھیں۔اور دربارِ اسلام سے حقائق کی تعلیم پا کر نکلی تھیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ جنگ بدر میں جو پرچمِ اسلام لہرا رہا تھا، وہ کس خاتون کا تھا؟ وہ بھی اسی پاک باز خاتون کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا جسے ام المومنین اور حبیبہ حبیبِ خدا ہونے کا فخر حاصل ہے۔(رضی اللہ عنہا)

الغرض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی جہاد (میدان جنگ) میں شرکت بھی کتب احادیث وتاریخ سے ثابت ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کر دی تھی۔اور ان میں شجاعت وبسالت کے جوہر بھر دیے تھے۔

کامیاب شوہر

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جس قدر اوصاف تھے قریباً قریباً ان سب کا پرتو ازواج مطہرات پر پڑ چکا تھا اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس دیکھا جاسکتا تھا اور دراصل کسی شوہر کی پوری تعریف بھی یہی ہے کہ وہ اپنی بیوی

---

[1] صحیح البخاری، الجهاد، باب غزوة النساء وقتالهن مع الرجال، حدیث: 2880، وصحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة النساء مع الرجال: حدیث: 1811

کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دے۔

ازواج رضی اللہ عنہن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خود بھی سخی تھے اور دنیا سے نفور و دل برداشتہ، اس لیے لازماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن سے فرمایا: ''تم میں سے وہ عورت مجھے جلد آ کر ملے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔'' یہ سن کر سب ازواج رضی اللہ عنہن بڑھ بڑھ کر سخاوت کرنے لگیں۔ لیکن ہم میں سب سے زیادہ سخی زینب رضی اللہ عنہا ثابت ہوئیں۔ کیونکہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتیں اور پھر اس کو صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ [1]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ انہوں نے ایک دن میں ستر ہزار درہم فی سبیل اللہ صرف کیے۔ اور حقیقت یہ تھی کہ اس دن خود ان کے جسم پر ایک پیوند لگا ہوا کرتہ تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ کم از کم اپنا کرتہ تو بنوا لیجیے۔ مگر آپ نے اس کی بھی پروا نہ کی۔ [2]

''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے سب کے سب اسی روز اللہ کے راہ میں صدقہ کر دیے۔ اور اس روز آپ کا روزہ بھی تھا۔ شام کو لونڈی نے روکھی سوکھی روٹی رکھ دی۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر سالن کے لیے کچھ بچا لیا جاتا، تو میں سالن بھی تیار کر لیتی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''مجھے تو خیال نہ آیا تو نے یاد دلا دینا تھا۔'' [3]

اللہ! اللہ! دنیا میں کس قدر استغناء ہے۔ اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ کس کی تعلیم، فیض اور صحبت کا اثر تھا؟

ایک بار حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی کہ ''صفیہ رضی اللہ عنہا

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب فضل صدقة الشحيح الصحيح، حديث: 1420، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل زينب ام المومنين، حديث: 2452

[2] سير أعلام النبلاء: 187/2

[3] مدارج النبوة: 645/2، وحلية الاولياء: 47/2

سبت (ہفتہ کے دن) کی عزت کیا کرتی ہیں۔ اور یہود کو عطیات دیا کرتی ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کر بھیجا۔ انہوں نے کہا:

''جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جمعہ عطا فرمایا ہے سبت کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ رہے یہودی ان سے میرے قرابت کے تعلقات ہیں اور میں ضرور ان کو کچھ نہ کچھ دیتی ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس لونڈی سے پوچھا: ''تو نے شکایت کیوں کی؟''

لونڈی نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور کہا: ''میں شیطان کے جھانسے میں آ گئی تھی۔''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اچھا جاؤ میں نے تمہیں اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔''[1]

سبحان اللہ! کیا شان عفو ہے کہ قصور وار کو بجائے سزا دینے کے الٹا آزاد کیا جا رہا ہے!!

دراصل یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم ہی کا اثر تھا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے دل و دماغ میں قائم فرما دیا تھا۔

عورتوں کی اصلاح

گھروں میں کبھی نہ کبھی چپقلش کا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن میاں بیوی میں محبت حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ بھی کسی نہ کسی وقت باہم روٹھ ہی بیٹھتے ہیں۔ بقول حالی مرحوم:

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

بھلا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کلیہ سے کس طرح مستثنیٰ رہ سکتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی جس نے دوسروں کے لیے نمونہ بننا تھا اس چیز کا پایا جانا نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ کتب و تواریخ سے ہمیں صرف دو تین ہی ایسے واقعات مل سکتے ہیں، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور لطف یہ کہ اس ناراضگی میں بھی سبق پایا جاتا تھا۔

---

[1] الإصابة: 348/4، وسير اعلام النبلاء: 233/232/2

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہوتو اپنا بستر اس سے الگ کرلے۔اوراسی پراکتفا کرے۔نہ خود گھر سے نکلے نہ اسے گھر سے نکالے۔

ہاں کبھی اتنی ہی ناراضگی ہو کہ مارنے تک نوبت آجائے تو منہ پر نہ مارے۔[1] یعنی وحشیوں کی طرح نہ مارے۔گویا مارنے میں بھی احتیاط اور اعتدال کو پیش نظر رکھا۔

مگر بہتر یہی ہے کہ بغیر مارنے کے ہی اس کی اصلاح کردے۔[2] کیونکہ یہ پسلی کی ہڈی کی طرح ہے، اگر سیدھا کروگے تو ٹوٹ جائے گی۔اس کو اسی اصلی حالت پر چھوڑ دوگے تو تنگ کرے گی۔[3]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج رضی اللہ عنہن

ایک دفعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اہم معاملہ پر سب بیویوں سے ناراض ہوگئے اور سبھی سے اپنا بستر الگ کرلیا۔ایک ماہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوگئے۔ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے معذرت چاہی۔اور حکم الٰہی سے وہ معاملہ اختتام کو پہنچا۔[4] الغرض آپ کی ناراضگی جب بھی ہوئی دینی معاملات پر ہوئی جس میں درحقیقت ہمارے لیے ایک سبق مضمر ہے۔

اسی طرح بسا اوقات ازواج مطہرات میں سے کوئی بگڑ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے مناتے۔اس منانے میں بھی عجیب شیرینی ہوتی۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا:''حمیراء!تم جب ناراض ہوتی ہو تو میں فوراً تمہارے غصے کو پہچان لیتا ہوں۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا:''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے تو کبھی آپ پر غصہ کا اظہار نہیں ہونے دیا۔پھر کس طرح آپ میری قلبی کیفیت کو پہچان لیتے ہیں۔''

---

[1] دیکھیے:سنن أبي داؤد،النكاح،باب في حق الزوج على المرأة،حديث:2142

[2] سورة النساءآیت:34

[3] صحيح مسلم،الرضاع،باب الوصية بالنساء،حديث:1468

[4] صحيح البخاري،الطلاق،باب قول الله تعالىٰ ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ...﴾حديث:5289

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہی تو بات ہے کہ تم ناراضگی کا اظہار نہیں ہونے دیتی مگر ہم پھر بھی پہچان لیتے ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''قربان جاؤں!! ذرا مجھے بھی پتہ دیجیے کہ آپ کو کس طرح میری ناراضگی کا پتہ چل جاتا ہے؟۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ! جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور قسم (اٹھانے) کا کوئی موقع آئے تو کہتی ہو: ''مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی قسم!'' اور جب کوئی وجہ پر خاش (ناراضگی) ہو تو پھر یوں کہتی ہو: ''مجھے ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم!۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اور کہا: ''واللہ! آپ نے خوب پہچانا۔''[1]

محبت کے اسباب

اگر چہ آپ کو بیویوں سے محبت تو یکساں ہی تھی۔ مگر پھر بھی یہ چیز اپنے بس کی نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بعض بیویاں اپنے محاسن اور کمالات کی وجہ سے زیادہ توجہ کی موجب بن جاتی تھیں۔ اور لطف یہ کہ ان میں ہر ایک یہ سمجھتی تھی کہ میری طرف ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ زیادہ ہے۔

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ چاہتے تھے اور آپ کا یہ چاہنا ان کے حسن و جمال یا کم سنی کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ بعض نابکار کہتے ہیں۔ بلکہ ان کے ذاتی کمالات، تفقہ فی الدین، ضبط علم اور ذہانت وغیرہ پر موقوف تھا۔ اور چونکہ یہ خوبیاں ان سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات میں موجود تھیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بھی سے زیادہ انہیں چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ان کا ذکر کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ ان کی سہیلیوں کی عزت کرتے انہیں اکثر تحائف بھیجا کرتے،[2] کہ یہ بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یادگار رہے۔

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب غيرة النساء ووجدهن، حديث: 5228، صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل عائشة، حديث: 2439

[2] صحيح البخاري، باب تزويج لنبي صلى الله عليه وسلم خديجة، حديث: 3605

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے لافانی محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندہ بیویوں کے متعلق کبھی جذباتِ رقابت نہیں پیدا ہوئے۔ لیکن مرحومہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق میرے دل میں بعض اوقات رقابت کا احساس پیدا ہونے لگتا تھا[1] کیونکہ میں دیکھتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اور ان کی یاد آپ کے دل کی گہرائیوں میں جگہ لیے ہوئے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان سے یہ محبت بھی ان کے اخلاص و وفا وغیرہ کی بنا پر تھی۔

المختصر یہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گونا گوں مصروفیتوں اور بے شمار ذمہ داریوں کے باوجود اپنے خانگی تعلقات کو جس خوبی سے نبھایا۔ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل نمونہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ محبت والفت میں، تلطف اور دل داری میں، ادائے حقوق ووفاداری میں، تعلیم وتربیت میں، تادیب واصلاح میں، اور پھر مختلف بیویوں سے عدل وانصاف میں جو کامل نمونہ پیش کیا ہے، جب تک نسل انسانی کا وجود قائم ہے وہ دنیا کے لیے ایک شمع ہدایت کا کام دے گا۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث :5229، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة، حديث :2435

ہمارے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے لئے رحمت

شعیب اعظم مدنی[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اتنی باکمال وکشادہ تھی کہ یہ رحمت تمام بنی نوع انسان کو شامل ہونے کے ساتھ ساتھ جانوروں اور چرند پرند الغرض تمام جہانوں کے لئے بھی روز روشن کی طرح واضح تھی۔ مندرجہ بالا موضوع کے عنوان کے مطابق بچوں کے لئے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے پہلو کے بارے میں چند امور کا ذکر پیش خدمت ہے۔ لہٰذا جس طرح لوگوں کو عام طور پر رحمت وشفقت کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر بچوں کو خاص طور پر محبت، شفقت اور رحمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی آشنا ہیں کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے لئے سب سے زیادہ باعث رحمت تھے۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ما رأيتُ أحداً كان أرحم بالعيال من رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴾[1]

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بچوں کے لئے رحم دل کوئی نہیں دیکھا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ ایک رحم دل والد کی طرح شفیق ومہرباں تھے، بچوں سے مذاق کرتے اور ان کی تربیت فرماتے۔ اور یہ رحمت دو عالم کی خاص توجہ اور تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ بچے بڑے ہو کر اخلاقِ حسنہ کا پیکر بنے، مومنوں کے لئے نرم دل اور کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے، علم نبوی

[1] نائب مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

[2] صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب رحمته صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك: 2316

سے بہرہ ور ہو کر مفسرین کرام و محدثین عظام کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اللہ کی رضا مندی کے مستحق ٹھہرے اور جنت کی ضمانت ان کا مقدر بن گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں پر رحم دلی کے کئی مظاہر و واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

① بچوں پر رحم کرنے کا حکم دیا

بچوں کے بارے میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

«من لم يرحمْ صغيرَنا، ويعرف حَقَّ كبيرِنا، فليس منا»[1]

ترجمہ: ''جس نے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانا تو وہ ہم میں سے نہیں۔''

ایک حدیث میں رحم کرنے والوں کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے:

«الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء»[2]

ترجمہ: ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، لہٰذا ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم فرمائے گا جو آسمان میں ہے۔''

② بچوں کے نام رکھنا

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ بعض اوقات بچوں کا نام بھی رکھ دیتے تھے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عن أبي موسى رضي الله عنه قال: «وُلِدلي غلام، فأتيت به النبي صلى الله عليه وسلم، فسماه إبراهيم، فحنَّكه بتمرة، ودعا له بالبركة ودفعه إليَّ»[3]

---

[1] سنن أبي داود ،كتاب الأدب ، باب في الرحمة:4943(صحيح)

[2] جامع الترمذي، أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في رحمة الناس:1924(صحيح)

[3] صحيح البخاري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه وتحنيكه:5467
صحيح مسلم ، كتاب الآداب ، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته:2145

ترجمہ: ''سیدنا ابوموسی اشعری سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں اُسے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا، کھجور چبا کر اسے کھلائی، اس کے لئے برکت کی دعا کی اور (پھر) مجھے دیا۔''

③ بچوں کو سلام کرنا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا

سنن نسائی کی حدیث ہے:

«عن أنس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قال: كان رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- يزور الأنصار، ويُسلِّم على صبيانهم ويمسح على رؤوسهم»[1]

ترجمہ: ''سیدنا انس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی زیارت کرتے، ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔''

④ بچوں کے لئے دعا کرنا

یہ بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت وشفقت کا ایک عظیم پہلو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے لئے دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كان رسول الله صَلَّى للّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- يُؤتى بالصبيان، فيبرك عليهم،ويُحنكهم ،ويدعولهم»[2]

ترجمہ: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے مبارکبادی کی دعا دیتے اور کھجور چبا کر ان (بچوں) کو کھلاتے اور ان کے لئے دعا فرماتے۔''

⑤ بچوں کے رخسار پر شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرنا

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«صليت مع رسول الله،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ،صلاة الأولى ثم خرج إلى أهله وخرجت

[1] صحيح البخاري ، كتاب الاستئذان - باب التسليم على الصبيان: 6247 ـ صحيح مسلم ، كتاب السلام ،باب استحباب السلام على الصبيان: 2168

[2] صحيح بخاري،كتاب الدعوات - باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رؤوسهم: 6355ـ صحيح مسلم،كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله:286

معه، فاستقبله ولدان، فجعل يمسح خدي أحدهم واحداً واحداً،قال: وأما أنا فمسح خدي قال: فوجدت ليده برداً أو ريحاً كأنما أخرجها من جُؤنة عطارٍ》[1]

ترجمہ: ”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کی طرف تشریف لے گئے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکل گیا، وہاں دو لڑکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باری باری ان کے رخساروں کو چھوا۔ وہ (سیدنا جابر) فرماتے ہیں کہ میرے بھی رخسار کو چھوا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسے محسوس ہوئی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ کسی عطر فروش کی کُپّی سے نکالا ہو۔“

⑥ بچوں کو بوسہ دینا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں پر اتنی شفقت فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کو بوسہ بھی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَبَّل رسولُ اللّهِ (صلى الله عليه وسلم) الحسنَ بْنَ عليٍ،وَعِنْدَه الأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التمِيمِيّ جَالِسًا، فَقَالَ الأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عشرةً مِنَ الوَلدِ مَا قَبَّلتُ مِنْهُم أَحَدًا. فنظرَ إليْهِ رسُولُ اللّهِ (صلى الله عليه وسلم) ثُمَّ قَالَ: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»[2]

ترجمہ: ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے نواسے) سیدنا حسن بن علی کو بوسہ دیا، اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے،تو سیدنا اقرع نے فرمایا: میرے دس بچے ہیں میں نے تو کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“

[1] صحيح مسلم،كتاب الفضائل، باب طيب رائحة النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولين مسه والتبرك بمسحه:2329

[2] صحيح البخاري، كتاب الأدب ، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته:5997، صحيح مسلم - كتابالفضائل،باب رحمته صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك:2318

وضاحت: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کو بوسہ دینا رحم دلی کی علامت ہے اور اس کی بدولت انسان کو خود بھی دوسروں کا رحم نصیب ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام مکافات عمل ہے یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

⑦ بچوں کے ساتھ دل لگی اور مذاق کرنا

پیارے نبی ﷺ بچوں کا دل بہلانے اور انہیں خوش کرنے کے لئے بعض اوقات مذاق بھی کیا کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

وعن أنس-رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- قال: كان رسول اللّٰه-صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّم،أحسنَ الناسِ خُلقاً وكان لي أخ، يُقال له أبو عُمير -وهو فَطيم- كان إذا، جاءنا قال:«يا أبا عُمير ما فعل النُّغير؟ »[1]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق کے مالک تھے اور میرا ایک بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا تھا وہ ایک چھوٹا لڑکا تھا (اس کے پاس ایک چھوٹا پرندہ تھا جس سے وہ کھیلتا تھا، وہ پرندہ مرگیا تو اس پر وہ لڑکا غمگین ہوگیا)، پیارے نبی ﷺ جب ہمارے پاس تشریف لاتے تو یہ فرماتے: اے ابوعمیر! اس چھوٹے پرندے کو کیا ہوگیا؟۔''

وضاحت: یہ بات پیارے نبی ﷺ اس لئے فرماتے تاکہ اس بچے کی غم کساری کریں اور اس کے ساتھ دل لگی کریں۔

⑧ بچیوں کو پیار اور شفقت بھرے الفاظ سے پکارنا

جہاں پیارے نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ میں بچوں سے محبت اور شفقت کا پہلو نظر آتا ہے وہاں بچیوں پر شفقت، پیار اور رحم دلی کا تذکرہ بھی بھرپور ملتا ہے۔ اس بارے میں سیدنا انس کی حدیث ہے:

«كان رسول اللّٰه،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ،يلاعب زينب بنت أم سلمة ويقول:

[1] صحيح البخاري ،كتاب الأدب ، باب الانبساط إلى الناس:6129صحيح مسلم، كتاب الآداب ، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته: 2150

یا زوینب، یا زوینب مراراً)[1]

ترجمہ: ''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی زینب کے ساتھ پیارے نبی ﷺ کھیلا کرتے اور یہ الفاظ دہراتے: ''اے زوینب، اے زوینب۔''

⑨ بچی پر شفقت فرماتے ہوئے اس کے ساتھ تشریف لے جانا

سیدنا انس بن مالک فرماتے ہیں:

(إن الوليدة من ولائد أهل المدينة لتجيء فتأخذ بيد رسول الله فما ينزع يده من يدها حتى تذهب به حيث شاءت.)[2]

ترجمہ: ''اہل مدینہ کی ایک بچی آ کر اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے یہاں تک کہ وہ جہاں چاہتی آپ ﷺ کو لے جاتی۔''

وضاحت: پیارے نبی ﷺ اتنی عظیم ذات ہونے کے باوجود ایک بچی پر اس قدر شفقت فرماتے کہ جب تک وہ خوش نہ ہو جاتی اس وقت تک آپ ﷺ اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے۔

⑩ بچوں کو شفقت سے گود میں بٹھانا

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأخذني فيقعدني على فخذه، ويقعد الحسن بن علي على فخذه الآخر، ثم يضمهما ثم يقول: (اللهم ارحمهما فإني أرحمهما)[3]

ترجمہ: ''اللہ کے رسول ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ران پر بٹھاتے اور سیدنا حسن بن علی کو دوسری ران پر بٹھاتے اور پھر ان دونوں کو لپٹا لیتے اور یہ دعا فرماتے: اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں بھی ان دونوں پر رحم فرماتا ہوں۔''

---

[1] الأحاديث المختارة ،مسند أنس بن مالك رضي الله عنه :1732(الصحيحة:2141)

[2] سنن ابن ماجه ، أبواب الزهد ، باب البراءة من الكبر والتواضع:4177(صحيح)

[3] صحيح بخاري ، كتاب الأدب ،باب وضع الصبي على الفخذ:6003

⑪ نماز کے دوران بچوں پر شفقت فرمانا

سیدنا شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم في إحدى صلاتي العشي، الظهر أو العصر، وهو حامل الحسن أو الحسين، فتقدم النبي صلى الله عليه وسلم فوضعه، ثم كبر للصلاة، فصلى فسجد بين ظهري صلاته سجدة أطالها، قال: إني رفعت رأسي فإذا الصبي على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ساجد، فرجعت في سجودي، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، قال الناس يا رسول الله! إنك سجدت بين ظهري الصلاة سجدة أطلتها، حتى ظننا أنه قد حدث أمر، أو أنه يوحى إليك، قال: كل ذلك لم يكن، ولكن ابني ارتحلني (ركب على ظهري) فكرهت أن أعجله، حتى يقضي حاجته»[1]

ترجمہ: ''ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسن یا سیدنا حسین کو اٹھائے ہوئے ظہر یا عصر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور نماز کے لئے آگے بڑھے تو انہیں اتار دیا، پھر نماز کے لئے تکبیر کہی، اور نماز کے دوران ایک سجدہ (بہت) لمبا کر دیا۔ سیدنا شداد کہتے ہیں کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ پر تھا جبکہ آپ سجدے میں تھے، میں تو دوبارہ سجدے میں چلا گیا، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل کر لی تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے نماز کے دوران ایک سجدہ بہت لمبا کیا ہے یہاں تک کہ ہمیں یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا حادثہ نہ ہو گیا ہو، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بلکہ میرا بیٹا (پوتا) میری پیٹھ پر آ گیا تھا اور میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اس کی چاہت پوری ہونے سے پہلے میں اسے جلدی سے ہٹا دوں۔''

وضاحت: اگرچہ نماز میں خشوع وخضوع نہایت ضروری ہے، اس کے باوجود بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] سنن النسائي، كتاب التطبيق، باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة: 1141 (صحيح)

نے بچوں پر شفقت کرتے ہوئے ان کا لحاظ کیا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کی اس طرح کی نقل و حرکت سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

12 نماز کے دوران لڑکیوں پر بھی خصوصی شفقت فرمانا

صحیح بخاری ومسلم کی حدیث ہے:

«عن أبي قتادة الأنصاري رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وهو حاملٌ أُمَامَة بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولأبي العاص ابن الربيع بن عبد شمس، فإذا سجد وضعها، وإذا قام حملها۔»[1]

ترجمہ: ''سیدنا ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ابوالعاص بن ربیع بن عبدشمس کی صاحبزادی۔(اپنی نواسی) کو اٹھا کر نماز پڑھتے، جب سجدہ کرتے تو انہیں (زمین پر) اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو اٹھا لیتے۔''

وضاحت: زمانہء جاہلیت میں لوگ لڑکوں کو تو بہت اہمیت دیتے تھے لیکن لڑکیوں سے نفرت کرتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کا بھی خیال رکھا جس طرح لڑکوں کا خیال رکھا۔

13 بچے کی وجہ سے نماز کو ہلکا کر دینا

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أن النبي صلى الله عليه وسلم ،قَالَ :إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ۔»[2]

---

[1] صحيح البخاري ، كتاب الصلاة، أبواب سترة المصلي،باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة:516، صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة:543

[2] صحيح البخاري ، كتاب الأذان ، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي:709صحيح مسلم، كتاب الصلاة ، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام:470

ترجمہ: ''سیدنا انس سے روایت ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نماز میں داخل ہوتا ہوں (نماز ادا کررہا ہوتا ہوں) اور میرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کو لمبا کروں، اور مجھے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں اپنی نماز کو ہلکا کر لیتا ہوں کیوں کہ مجھے علم ہے کہ اس کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کا کتنی تکلیف پہنچتی ہے۔''

14 خطبہ کے دوران بچوں پر شفقت فرمانا

سیدنا عبداللہ بن بریدہ کے والد فرماتے ہیں:

«خطبنا رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم فأقبل الحسن والحسين رضي اللہ عنهما عليهما قميصان أحمران يعثران ويقومان، فنزل فأخذهما فصعد بهما المنبر ثم قال صدق اللہ: إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ. رأيت هذين فلم أصبر، ثم أخذ في الخطبة»[1]

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، اور حسن اور حسین لڑکھڑاتے ہوئے آئے، ان دونوں نے دو لال قمیضیں پہنی ہوئی تھیں، تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان دونوں کو لے کر منبر پر چڑھے اور پھر فرمایا کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے: تمہارے اموال و اولاد تو آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا تو صبر نہ کرسکا (اور جلدی سے اٹھا لیا)، پھر خطبہ جاری کیا۔''

15 اصولوں پر قائم رہتے ہوئے بڑوں کی موجودگی میں بچے کو پہلے اس کا حق دینا

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أن رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم أُتِيَ بشراب، فشرب منه، وعن يمينه غلام، وعن يساره أشياخ، فقال للغلام: أتأذن لي أن أعطي هؤلاء؟ فقال الغلام: لا، واللہ لا أوثر بنصيبي منك أحدًا، قال: فتلَّه -وضعه في يده- رسولُ اللہ صلى اللہ عليه وسلم»

[1] سنن أبي داود ، كتاب الصلاة ، باب الإمام يقطع الخطبة للأمر يحدث: 1109 (صحيح)

سنن النسائي، كتاب صلاة العيدين، باب نزول الإمام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة: 1584

ترجمہ: ’’پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پینے کی چیز لائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کچھ پی لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب ایک لڑکا تھا اور بائیں جانب عظیم صحابہ تھے، تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا آپ مجھے یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں (آپ سے پہلے) انہیں دے دوں، اس لڑکے نے عرض کیا: نہیں، اللہ کی قسم، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی برکت) سے اپنے حصہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، انہوں (سیدنا سہل بن سعد) نے فرمایا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اس لڑکے کے ہاتھ میں رکھ دیا۔‘‘

وضاحت: حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اچھا کام سیدھے ہاتھ اور سیدھی طرف سے کرنا پسند تھا، اس لئے وہ لڑکا سیدھی طرف بیٹھا ہوا تھا تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پینے کے بعد اسی کا حق تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں جانب جلیل القدر صحابہ کا خیال کرتے ہوئے اس لڑکے سے پوچھ بھی لیا لیکن چونکہ حق اسی کا تھا اس لئے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا اگرچہ وہ عمر میں دیگر صحابہ سے بہت چھوٹا تھا۔[1]

(16) بچوں پر کسی صورت میں بھی ناراض نہ ہونا

﴿عن عائشة رضي الله عنها،أن النبي صلى الله عليه وسلم وضع صبيًا في حجره يحنّكه، فبال عليه، فدعا بماء فأتبعه۔﴾[2]

ترجمہ: ’’سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو کھجور چبا کر کھلانے کے لئے گود میں رکھا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر بہا دیا۔ (یعنی اس پر کسی قسم کی ناراضگی یا غصہ نہیں کیا)۔‘‘

---

[1] صحيح البخاري ،كتاب الهبة وفضلها، باب الهبة المقبوضة وغير المقبوضة:2605صحيح مسلم ،كتاب الأشربة،باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما عَنْ يمين المبتدئ:2030

[2] صحيح البخاري، كتاب الأدب،باب وضع الصبي في الحجر :6002صحيح مسلم ، كتاب الطهارة ،باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله:286

17 بچوں کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھنا چاہے وہ غیر مسلموں کے بچے ہی کیوں نہ ہوں

جس طرح ہمارے پیارے رسول ﷺ بڑوں کو جنت کا رستہ دکھانے کے لئے فکر مند ہوتے اسی طرح آپ ﷺ کو بچوں کی بھی بہت فکر رہتی تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

سیدنا انس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بیمار یہودی لڑکے کی عیادت کی۔ جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ تو اس سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا ا للّٰهُ﴾ کہہ دو، اور اس لڑکے نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو اُس کے والد نے کہا کہ ابو القاسم (پیارے نبی ﷺ کی کنیت) کی بات مان لو، لہٰذا اس لڑکے نے کلمہ پڑھ لیا تو پیارے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿اَلحَمْدُللّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ﴾

ترجمہ: ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اسے (لڑکے کو) آگ سے بچا لیا۔''[1]

18 بچوں کی وفات پر غمگین ہونا اور آنسو بہانا

جب اللہ کے رسول ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی موت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اس موقعہ پر سیدنا عبدالرحمن بن عوف نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھی؟ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

﴿یا ابن عوف إنها رحمة ثم أتبعها بأخرى،فقال صلى الله عليه وسلم:إن العين تدمع،والقلب يحزن، ولا نقول إلا ما يرضى ربنا، وإنا بفراقك يا إبراهيم لمحزونون﴾[2]

ترجمہ: ''اے عوف کے بیٹے! یہ تو رحمت ہے۔ اور مزید یہ فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اور دل غمگین ہے۔ اور ہم تو صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! یقینا ہم آپ کی جدائی میں بہت غمگین ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري - كتاب الجنائز - باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه:

[2] صحيح البخاري - كتاب الجنائز - باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إنا بك لمحزونون:1303،
صحيح مسلم - كتاب الفضائل - باب رحمته صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك:2315

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مزدور

حافظ محمد یونس اثری[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لیے بالعموم اور بالخصوص ثقلین کے لیے رحمت بن کر آئے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لے کر آئے، وہ مکمل طور پر رحمت ہی رحمت ہے، دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کو باہمی اخوت اور بھائی چارے کی جن لڑیوں میں پرو یا، اس کا تقاضا یہی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے لیے بھی امن وسکون اور محبت والفت کا سامان بن جائے، جب یہ نکتہ واضح ہے کہ اسلامی معاشرہ کی اساس ہی اخوت اور بھائی چارگی اور باہمی ترحم پر قائم ہے تو یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس معاشرت کا ایک اہم ترین حصہ مزدور کے ساتھ حسن سلوک ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات مزدوروں کے لیے بھی سامان رحمت بن کر آئی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حوالے سے دی گئی ایک ایک تعلیم اور مقرر کیے گئے ضوابط مزدوروں کے لیے رحمت کا انمول خزینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے بڑی مزدوری کی شان کیا ہوگی کہ نبوی تعلیمات میں محنت مزدوری کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ محنت مزدوری کے نتائج فرد واحد پر نہیں بلکہ پورے معاشرے پر اس کے مثبت اور مفید اثرات منتج ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ محنت مزدوری وہ عمدہ صفت ہے جو انبیاء، صحابہ کرام، سلف صالحین کی سیرت کا نمایاں پہلو شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کرسکیں گے۔

---

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

انبیاء کرام اور محنت مزدوری

سیدنا نوح علیہ السلام محنت کش آدمی تھے، لکڑی کا کام کرتے تھے اور خوب محنت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتنی بڑی کشتی تیار کی کہ جو دنیا کے لیے ایک نئی ایجاد ثابت ہوئی۔

سیدنا زکریا علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«كَانَ زَكَرِيَّاءُ نَجَّارًا »[1]

''وہ بڑھئی تھے۔''

امام مسلم رحمہ اللہ کا کتاب الفضائل میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کا محنت مزدوری کرنا ایک عمدہ خوبی اور فضیلت والا عمل تھا اور اس قدر عمدہ عمل تھا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بیان فرمایا، یقیناً اس میں امت کے لیے نصیحت یہی ہے کہ جب سیدنا زکریا علیہ السلام جیسی شخصیت نبی ہونے کے باوجود محنت کشی کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے ہوئے تھے تو ہمیں بھی اسے مستحسن ہی سمجھنا چاہیے اور معاشرے کا ایک اہم حصہ سمجھنا چاہیے۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں چرانے کے لیے مقرر کرنا اور انہیں اجرت دینا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

«مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ :نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»[3]

''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا، اس نے بکریاں ضرور چرائیں، صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: جی ہاں! میں

---

[1] صحيح مسلم : 2379، كتاب الفضائل ،باب في فضائل زكرياء عليه السلام

[2] دیکھئے: سورۃ القصص: آیت نمبر 27، 28

[3] صحيح البخاري: 2262، كتاب الإجارة ،باب رعي الغنم على قراريط

بھی مکہ والوں کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا۔"

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی سند سے ہے، البتہ وہاں عمرو بن یحیٰ سے اس روایت کو سوید (جو کہ امام ابن ماجہ کے استاد ہیں) سے روایت کیا ہے، اور انہوں نے روایت بیان کرنے کے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«يَعْنِي كُلَّ شَاةٍ بِقِيرَاطٍ»[1]

"ہر بکری کے عوض میں ایک قیراط۔"

امام حاکم رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ذکر فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجلس میں بیٹھے ایک شخص کو قریب بلا کر فرمایا:

«ادن مني فأحدثك عن الأنبياء المذكورين في كتاب الله أحدثك عن آدم إنه كان عبدا حراثا، وأحدثك عن نوح إنه كان عبدا نجارا، وأحدثك عن إدريس إنه كان عبدا خياطا، وأحدثك عن داود أنه كان عبدا زرادا، وأحدثك عن موسى أنه كان عبدا راعيا، وأحدثك عن إبراهيم أنه كان عبدا زراعا، وأحدثك عن صالح أنه كان عبدا تاجرا، وأحدثك عن سليمان أنه كان عبدا آتاه الله الملك وكان يصوم في أول الشهر ستة أيام وفي وسطه ثلاثة أيام وفي آخره ثلاثة أيام وكانت له تسع مائة سرية، وثلاث مائة فهرية وأحدثك عن ابن العذراء البتول عيسى ابن مريم أنه كان لا يخبأ شيئا لغد ويقول: الذي غداني سوف يعشيني والذي عشاني سوف يغديني، يعبد الله ليلة كلها يصلي حتى تطلع الشمس وهو بالنهار سائح، ويصوم الدهر كله، ويقوم الليل كله،" وأحدثك عن النبي المصطفى ﷺ أنه كان يرعى غنم أهل بيته بأجياد۔۔الخ»[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ: 2149، کتاب التجارات باب الصناعات

[2] مستدرک الحاکم: 2/652، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو کمزور قرار دیا ہے۔ فتح الباری: 4/306

’’میرے قریب آجایئے! میں تمہیں ان انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بتاتا ہوں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے ۔ میں تمہیں سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے، میں تمہیں سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ بڑھئی تھے، میں تمہیں سیدنا ادریس علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ درزی تھے، میں تمہیں سیدنا داؤد علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ زرہیں بنایا کرتے تھے، میں تمہیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ بکریاں چراتے تھے، میں تمہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے، میں تمہیں سیدنا صالح علیہم السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ تاجر تھے، میں تمہیں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے شاندار حکومت عطا کی تھی، آپ ہر مہینے کے پہلے **6** دن، درمیان میں **3** دن اور آخر میں **3** دن روزہ رکھا کرتے تھے،آپ کے لشکر میں فوجی **900** اور عمدہ گھوڑوں کی تعداد **300** تھی۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتاتا ہوں کہ کنواری مریم علیہا السلام کے بیٹے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اگلے دن کے لئے کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، جس ذات نے مجھے ناشتہ دیا ہے، وہ شام کا کھانا بھی دے گی اور جس ذات نے مجھے شام کا کھانا دیا ہے، وہ ناشتہ بھی دے گی ۔آپ پوری رات نماز میں گزار دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا ۔آپ دن میں سیاحت کرتے تھے، آپ کا تمام دن روزے سے گزرتا اور تمام رات قیام میں گزرتی اور میں تجھے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتاتا ہوں، آپ اپنے گھر والوں کی بکریاں چراتے تھے۔۔۔الخ

اسی مفہوم کی بات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے:

«كان آدم عليه السلام حراثا، وكان نوح نجارا، وكان إدريس خياطا، وكان صالح تاجرا، وكان إبراهيم زراعا، وكان شعيب راعيا وكان موسى راعيا وكان داود زرادا، وكان سليمان ملكا، وكان عيسى لا يخبأ شيئا لغده، وكان نبينا صلى الله عليه وسلم يرعى غنما لأهل بيته بأجياد» [1]

---

[1] المنتظم في تاريخ الملوك والامم : 146/2

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام ہل جوتتے تھے، سیدنا نوح علیہ السلام بڑھئی تھے، سیدنا ادریس علیہ السلام درزی تھے، سیدنا صالح علیہ السلام تجارت کرتے تھے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے، سیدنا شعیب اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام بکریوں کی نگہبانی کرتے اور سیدنا داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور سیدنا سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام اجیاد پر بکریوں کی نگہبانی فرماتے تھے۔

صحابہ کرام اور محنت مزدوری

صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین محنت کش اور اپنے ہاتھ کی کمائی کو پسند کرتے ،مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گھاس جمع کر کے بیچی ،[1] سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار تھے،[2] ایک صحابی جو کہ درزی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شریک ہوتے ،[3] ایک عورت نے اپنے غلام جو کہ بڑھئی تھا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر تعمیر کروایا،[4] سوید بن قیس اور مخرمہ عبدی رضی اللہ عنہما کا کپڑے کا کام اور ان کے پاس وزن تولنے کے لیے ایک مزدور تھا۔[5] سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کھیتی باڑی کرتے تھے [6] یہ سب دلالت کناں ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس قدر دین کی خوب جستجو رکھتے تھے، معاشرت میں بھی محنت کشی ان کی زندگیوں کا حصہ تھی۔

واضح رہے کہ یہ چند ایک حوالے مشت از خروارے کے طور پر ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ ہی محنت کش تھے۔

گذشتہ دلائل سے ثابت ہوا کہ کائنات کی برگزیدہ شخصیات محنت کش تھیں، یوں محنت کشی کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ کائنات کے معزز ترین اور برگزیدہ ترین شخصیات کی زندگیوں کا مستقل حصہ بن گئی۔

---

[1] صحیح بخاری:2089 ،کتاب البیوع،باب ما قیل فی الصواغ

[2] صحیح بخاری:2091 ،کتاب البیوع،باب ذکر القین والحداء

[3] صحیح بخاری:2092،کتاب البیوع،باب ذکرالخیاط

[4] صحیح بخاری:2094،کتاب البیوع،باب النجار

[5] جامع ترمذی:1305،کتاب الجنائز،باب ما ینھی من النوح والبکاء

[6] صحیح بخاری:2359 ،کتاب المساقاۃ،باب سکرالأنھار

محنت مزدوری کی ترغیب بزبان محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود محنت کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور امت کو اسی کی ترغیب دی، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

« مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»[1]

''کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کھایا کرتے تھے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہترین کمائی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کی کمائی۔[2]

کہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حیثیت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الحَطَبِ عَلَى ظَهْرِهِ، فَيَبِيعَهَا، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ» [3]

''تم میں سے کوئی بھی اگر (ضرورت مند ہو تو) اپنی رسی لے کر آئے اور لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر رکھ کر لائے۔ اور اسے بیچے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو محفوظ رکھ لے تو یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، اسے وہ دیں یا نہ دیں۔''

اس تفصیل کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ مزدور پیشہ لوگوں کی اسلام اور دین اسلام کے پیامبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کیا حیثیت ہے؟ بالفاظ دیگر زبانِ زدعام جملہ ''محنت میں عظمت ہے'' کی اس سے بڑی عملی تصویر اور عظمت کی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ کائنات کی عظیم ترین شخصیات نے محنت کو اپنی شخصیت کا حصہ بنایا ہے۔ اور مزدور طبقہ کی یہ عظمت کیوں نہ ہو جو موسم گرما میں چلچلاتی دھوپ سے جلتے کالے، ننگے بدن سے بہتا پسینہ

---

[1] صحيح البخاري: 2072 ، كتاب البيوع ، باب كسب الرجل و عمله بيده

[2] مسند احمد 4/141، علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے سنداً صحیح کہا ہے دیکھئے، السلسلة الصحيحة:607

[3] صحيح البخاري: 1471 ، كتاب الزكوة باب الاستعفاف عن المسئلة

اور چہرے پر، اداسی اور درد وکرب کا پرتو بن کر دن رات ایک کرتا ہے تو ایام سردی میں بھی، کبھی ٹھٹھرتی راتوں میں تو کبھی ٹھنڈے پانیوں میں، محنت ومشقت کو اپنے سینے سے لگائے ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے اسے سردی لگتی ہے نہ گرمی کی تپش میں لو کی شدت کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی انھیں برسات کی جھما جھم بارش کی پرواہ ہی ہوتی ہے، کہ ان تینوں موسم میں ان کے پیٹ کی آگ کی شدت حاوی ہوتی ہے۔ پہلے مزدور کا تصور یہ تھا کہ وہ صرف جوان مرد ہی ہوتے ہیں، لیکن اب تو پیٹ کی آگ، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں تک کو بھی مزدوری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مزدور عورتیں اکثر عمارتوں کی تعمیر میں حصہ لیتی نظر آتی ہیں۔ اینٹ کے بھٹوں پر بھی وہ اینٹ ڈھوتی ملتی ہیں۔ اپنے شیر خوار بچے کو وہ اکثر اپنے جسم کے پچھلے حصہ میں کپڑوں سے باندھ کر بھی مزدوری کیا کرتی ہیں۔

بہرحال دوسرے تمام ادیان ومذاہب کی بنسبت صرف اسی تاریخ کی روشنی میں یہ جملہ کہنا بالکل مبنی بر عدل اور قرین قیاس ہے کہ جو حیثیت دینِ اسلام نے مزدور پیشہ لوگوں کو دی وہ کسی اور مذہب میں ممکن ہی نہیں کیونکہ محنت ومزدوری کے لحاظ سے مختلف مذاہب میں جو طبقاتی تقسیم نظر آتی ہے اسے دیکھتے ہوئے کیونکر اس مذہب کا پیرو مزدور اپنے لیے اس میں کوئی عظمت سمجھے گا!

پھر رہی سہی کسر عالمی تناظر میں مزدوروں کے ساتھ ہونے والے مظالم، ناانصافیوں، استبداد کی مختلف شکلوں نے نکال دی اور ان کی روک تھام کے لیے بنائے گئے ناقص اصول کبھی کبھی تو خود ان مزدور پیشہ لوگوں کی عصمت پر حرف گیری کا سبب بنتے نظر آتے ہیں۔ حتی کہ ضرورت محسوس کی گئی کہ مزدور ڈے منا کر اس سوچ میں کمی لائی جائے مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

مزدور ڈے اور مزدور

مزدور ڈے کا جو پس منظر بیان کیا جاتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ جب مغربی دنیا میں مزدوروں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ان کی بدحالی تمام حدود سے باہر ہو چکی تھی، مسلسل کئی کئی گھنٹے مزدوروں سے کام کروانا عام رواج بن چکا تھا، اس مسئلے کے حل کے لیے مزدوروں نے امریکا کے شہر شکاگو میں ایک احتجاج اور ہڑتال کی صورت میں یہ مطالبہ کیا کہ کام کے اوقات آٹھ گھنٹے مقرر کیے جائیں اس دن امریکا کے محنت کشوں نے مکمل

تین مئی کو اس سلسلے میں شکاگو میں منعقد مزدوروں کے احتجاجی جلسے پر حملہ ہوا جس میں چار مزدور ہلاک ہوئے۔ اس بربریت کے خلاف محنت کش احتجاجی مظاہرے کے لیے (Haymarket square) میں جمع ہوئے۔ پولیس نے مظاہرہ روکنے کے لیے محنت کشوں پر تشدد کیا اسی دوران بم دھماکے میں ایک پولیس افسر ہلاک ہوا تو پولیس نے مظاہرین پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجے میں بے شمار مزدور ہلاک ہوئے اور درجنوں کی تعداد میں زخمی، اس موقعے پر سرمایہ داروں نے مزدور رہنماؤں کو گرفتار کر کے پھانسیاں دیں۔ حالانکہ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ اس واقعے میں ملوث ہیں۔ انہوں نے مزدور تحریک کے لیے جان دے کر سرمایہ دارانہ نظام کا انصاف اور بربریت واضح کر دی۔ ان ہلاک ہونے والے رہنماؤں نے کہا۔ ''تم ہمیں جسمانی طور پر ختم کر سکتے ہو لیکن ہماری آواز نہیں دبا سکتے'' اس جدوجہد کے نتیجے میں مزدوروں کے لیے دنیا بھر میں آٹھ گھنٹے مقرر کر دیے گئے اور مزدوروں سے اظہار یکجہتی کے لیے دنیا بھر میں اس دن یوم مزدور کے طور پر منایا جانے لگا۔[1]

سوال یہ ہے کہ کیا ایک دن کے مزدور ڈے سے مزدوروں کی دادرسی ہوگئی؟ ان کے حقوق کا تحفظ ممکن ہوا؟ ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے کوئی عالمی حکمت عملی، عملی طور پر وجود میں آئی؟ ان کی محنت کے مطابق انہیں معاوضہ دیا جانے لگا؟ اگر ان ساری باتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہی ہے تو پھر محض سالانہ ڈھونگ کا کیا فائدہ؟ بلکہ یہ تو مزید ایک دن کئی مزدوروں کے دیے بجھا دیتا ہے کہ مزدور ڈے کے تناظر میں عام تعطیل کئی مزدوروں کی یومیہ فاقہ کشی کا سبب بن جاتی ہے، گویا کہ مزدوروں کے نام پر مزدوروں ہی کے ساتھ عالمی ظلم کی بھیانک تصویر!

لیکن! گزشتہ صفحات میں ذکر کردہ مزدوروں کی بنیادی حیثیت کے تذکرے کے بعد مزید جو زریں اصول نبوی تعلیمات میں بیان کیے گئے ہیں، اگر دنیا ان اصولوں کو اپنے لیے مشعل راہ بنا لے تو یقیناً یہ مزدوروں کے لیے حقیقی اور عملی دادرسی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ذیل میں انہیں بیان کیا جاتا ہے۔

[1] www.Wikipedia.org

مزدوروں کی خیر خواہی کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمت بھرے ضوابط

شریعتِ اسلامیہ نے مزدور کے حقوق کی دیکھ بھال اور ان کی رعایت کا حکم دیا اور ایسا کرنے والوں کے فضائل کا تذکرہ بھی مذکور ہے، جیسا کہ ذیل کے دلائل سے واضح ہو جائے گا۔

① عظیم ترین عمل جو مشکل میں کام آ گیا

یہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ جسے اصحاب غار میں سے ایک نے عمل کے وسیلہ کے طور پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے مشکل دور کر دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچھلے زمانے میں (بنی اسرائیل میں سے) تین آدمی کہیں راستے میں جا رہے تھے کہ اچانک بارش آ گئی اور وہ تینوں پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، جب وہ اندر چلے گئے تو غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تینوں آپس میں یوں کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہمیں اس مصیبت سے اب تو صرف سچائی ہی نجات دلائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اب ہر شخص اپنے کسی ایسے عمل کو بیان کر کے دعا کرے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ ایک نے اس طرح دعا کی، اے اللہ! تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے ایک مزدور رکھا تھا جس نے ایک فرق (تین صاع) چاول کی مزدوری پر میرا کام کیا تھا لیکن وہ شخص غصہ میں آ کر چلا گیا اور اپنے چاول چھوڑ گیا۔ پھر میں نے اس ایک 'فرق' چاول کو لیا اور اس کی کاشت کی۔ اس سے اتنا کچھ ہو گیا کہ میں نے پیداوار میں سے گائے بیل خرید لیے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہی شخص مجھ سے اپنی مزدوری مانگنے آیا۔ میں نے کہا کہ یہ گائے بیل کھڑے ہیں، ان کو لے جا۔ اس نے کہا کہ میرا تو صرف ایک 'فرق' چاول تمہارے ذمہ ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس سے کہا یہ سب گائے بیل لے جا کیونکہ یہ اسی ایک 'فرق' کی آمدنی ہے۔ آخر وہ گائے بیل لے کر چلا گیا۔ پس اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ ایمانداری میں نے صرف تیرے ڈر سے کی تھی تو تو غار کا منہ کھول دے۔ چنانچہ اسی وقت وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے نے اس طرح دعا کی۔ اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرے ماں باپ جب بوڑھے ہو گئے تو میں ان کی خدمت میں روزانہ رات میں بکریوں کا دودھ لا کر پلایا کرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے میں دیر سے آیا تو وہ سو چکے تھے۔ ادھر میرے بیوی اور بچے بھوک سے

بلبلا رہے تھے لیکن میری عادت تھی کہ جب تک والدین کو دودھ نہ پلا لوں لو، بیوی بچوں کو نہیں دیتا تھا مجھے انہیں بیدار کرنا بھی پسند نہیں تھا اور چھوڑنا بھی پسند نہ تھا (کیونکہ یہی ان کا شام کا کھانا تھا اور اس کے نہ پینے سے وہ کمزور ہوجاتے) پس میں ان کا وہیں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پس اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو تو ہماری مشکل دور کردے۔ اس وقت وہ پتھر کچھ اور ہٹ گیا اور اب آسمان نظر آنے لگا۔ پھر تیسرے شخص نے یوں دعا کی، میری ایک چچازاد بہن تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے ایک بار اس سے صحبت کرنی چاہی، اس نے انکار کیا مگر اس شرط پر تیار ہوئی کہ میں اسے سو اشرفی لا کر دے دوں۔ میں نے یہ رقم حاصل کرنے کے لیے کوشش کی۔ آخر وہ مجھے مل گئی تو میں اس کے پاس آیا اور وہ رقم اس کے حوالے کر دی۔ اس نے مجھے اپنے نفس پر قدرت دے دی۔ جب میں یہ گناہ کرنے ہی لگا تھا کہ اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو بغیر حق کے نہ توڑ۔ (یہ سنتے ہی اس برائی کا ارادہ ترک کردیا) میں نے یہ عمل تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو تو ہماری مشکل آسان کردے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکل دور کردی اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔[1]

(2) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

« ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ»[2]

’’تین طرح کے لوگ ایسے ہوں گے جن کا قیامت کے دن میں مدعی بنوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا اور وہ توڑ دیا، وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ

---

(1) صحیح البخاري: 3465، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار، صحیح مسلم: 2743، کتاب الرقاق، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح

(2) صحیح البخاري: 2227، کتاب البیوع، باب إثم من باع حرًّا، سنن ابن ماجه 2442، کتاب الرهون، باب أجر الأجراء، اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: «ومن کنت خصمه خصمته یوم القیامة» یعنی: ’’جس کے خلاف میں مدعی ہوں گا میں اس سے مقدمہ جیت جاؤں گا۔‘‘

شخص جس نے کوئی مزدور اجرت پر رکھا، اس سے پوری طرح کام لیا، لیکن اس کی مزدوری نہیں دی۔''
یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا چنانچہ حافظ ابن حجر الہیتمی نے [1] اور ابن النحاس [2] اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔

[3] پسینہ خشک ہونے سے قبل:

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَعْطُوا الأجيرَ أَجْرَهُ قبل أن يجفَّ عرقُه » [3]

''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دے دو۔''

[4] مزدوروں کے حقوق سے متعلق چار رحمت بھرے اصول:

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک غلام کو ماں کی عار دلائی۔ اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کر دی، تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« يَا أَبَا ذَرٍّ أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ » [4]

''اے ابوذر! تم نے اسے ماں کے نام سے غیرت دلائی، بے شک تم میں ابھی کچھ زمانہ جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ (یاد رکھو) ماتحت لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (کسی حکمت کی بنا پر) انھیں تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے تو جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو بھی وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑا اسے پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کو اتنے کام کی تکلیف نہ دو کہ ان کے لیے

---

[1] الزواجر عن اقتراف الكبائر ، باب الإجارة : 1/ 437

[2] تنبيه الغافلين عن أعمال الجاهلين وتحذير السالكين من أفعال الجاهلين: 187

[3] صحيح الترغيب : 1877، 1878، 1879

[4] صحيح البخاري : 30 كتاب الايمان ، باب المعاصي من أمر الجاهلية، ولا يكفر صاحبها بارتكابها إلا بالشرك ، صحيح مسلم : 1661 ، كتاب الايمان والنذور ، باب إطعام المملوك مما يأكل، وإلباسه مما يلبس، ولا يكلفه ما يغلبه

مشکل ہو جائے اور اگر کوئی سخت کام ڈالو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔''

5 ناممکن کام سونپنا جائز نہیں

کسی ایسے ہی کام پر مزدور نہ بنایا جائے جو ممکن العمل نہ ہو، وگرنہ تکلیف مالا یطاق ہوگی، کیونکہ قرآن کریم میں جو اصول دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ﴾

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رحمت بھرا فرمان بھی ہے:

«لاضرر ولا ضرار» [1]

''نہ (پہلے پہل) کسی کو نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا جائز ہے، نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا۔''

قرآن کریم میں سیدنا شعیب علیہ السلام کا طرز عمل مذکور ہے کہ جب انہوں نے سیدنا موسی علیہ السلام کو مزدوری کے لیے مقرر کیا تو فرمایا:

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ﴾(القصص:27)

''میں تم پر کوئی مشقت اور سختی نہیں ڈالنا چاہتا۔''

ایسی صورت میں مزدور کے پاس یہ حق ہے کہ وہ مزدوری چھوڑ دے۔ اور اس پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔

6 مزدوری سے متعلقہ امور واضح ہوں

مزدور مقرر کرتے وقت ضروری ہے کہ پہلے کام کی نوعیت اور وقت اور اس کا عوض طے کر لیا جائے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے مبہم ہونے کی وجہ سے یہ عقد نا قابل قبول ٹھہرے گا۔

7 مقررہ اجرت کے تعین کے بعد اس میں صاحب العمل کی زیادتی ظلم شمار ہوگی۔

اگر مزدور کو طے شدہ معاہدے سے زیادہ محنت کروائی جائے تو صاحب العمل پر اس کے مثل اجرت کا اضافہ لازم ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه : 2340، كتاب الاحكام ، باب إذا تشاجروا في قدر الطريق

⑧ اچانک معزولی

قبل از وقت اچانک مزدور کی معزولی ناجائز ہے، کیونکہ اصول بیان ہو چکا کہ

« لاضرر ولا ضرار »[1]

''نہ (پہلے پہل) کسی کو نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا جائز ہے، نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا۔''

البتہ اگر کوئی مصلحت عامہ یا خاصہ موجود ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

⑨ مزدور حقیر نہیں ہوتا

جیسا کہ بیان ہو چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدروں کو بھی بھائی قرار دیا اور انبیاء اور دیگر برگزیدہ شخصیات نے بھی مزدوریاں کیں، لہٰذا مزدور کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کسی صورت جائز نہیں۔ بلکہ مزدور مکمل عدل کے ساتھ اپنے ذمے کام کو ادا کرے تو اس کے دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ یہ بڑی عظمت و شرف کی بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« إن الله يحب إذا عمل أحدكم عملا أن يتقنه »[2]

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی، کام کرے تو اسے مضبوطی سے کرے''

⑩ مزدور پر ظلم وزیادتی کی کوئی گنجائش نہیں

مزدور، خادم وغیرہ پر کسی قسم کے ظلم وزیادتی اور جبر کی کوئی اجازت نہیں اور نہ ہی اسے کبھی مارنے کی اجازت دی گئی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف نبیلہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«وما ضرب رسول الله شيئا قط بيده ولا إمراة ولا خادما إلا أن يجاهد في سبيل الله»[3]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو، نہ کسی غلام کو، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔''

---

[1] سنن ابن ماجه : 2340، كتاب الأحكام ، باب إذا تشاجروا في قدر الطريق

[2] شعب الايمان : 4929، الأمانات وما يجب من أدائها الى أهلها، سلسلة الصحيحة : 1113

[3] صحيح مسلم : كتاب الفضائل باب مباعدته للآثام و اختياره من المباح اسهله وانقامه لله عند انتهاک حرماته ، ٢٣٢٨

دس سال آپ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کرنے والے سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔''[1]

ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر اچھے اخلاق کے مالک تھے، آپ ﷺ نے ایک دن مجھے کسی کام سے بھیجا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ نبی ﷺ نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے میں اس کے لیے ضرور جاؤں گا۔ تو میں چلا گیا حتیٰ کہ میں چند لڑکوں کے پاس سے گزرا، وہ بازار میں کھیل رہے تھے، پھر اچانک (میں نے دیکھا) رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے میری گدی سے مجھے پکڑ لیا، میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے انیس (چھوٹے انس)! کیا تم وہاں گئے تھے جہاں (جانے کو) میں نے کہا تھا؟'' میں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول ﷺ! میں جا رہا ہوں۔''[2]

معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میری ایک لونڈی تھی جو اُحد اور جوانیہ کے اطراف میں میری بکریاں چراتی تھی، ایک دن میں اس طرف جا نکلا تو بھیڑیا اس کی بکری لے جا چکا تھا۔ میں بھی بنی آدم میں سے ایک آدمی ہوں، مجھے بھی اسی طرح افسوس ہوتا ہے جس طرح ان کو ہوتا ہے (مجھے صبر کرنا چاہیے تھا) لیکن میں نے اسے زور سے ایک تھپڑ مار دیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے میری اس حرکت کو میرے لیے بڑی (غلط) حرکت قرار دیا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' میں اسے لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري : 6038 ، كتاب الأدب ، بَابُ حُسْنِ الخُلُقِ وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ البُخْلِ

[2] صحيح مسلم : 2310، كتاب الفضائل ، باب كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا

[3] صحيح مسلم : 537 ، كتاب المساجد و مواضع الصلوٰة ، باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحته

اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

《 من لطم مملوکه أو ضربه فكفارته أن يعتقه 》[1]

''جس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا یا اسے زدوکوب کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کرے''

ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا تو وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی:

《 اعلم أبا مسعود لله اقدر عليك منك عليه 》

''ابومسعود! جان لو، اس پر تمہارا جتنا اختیار ہے، اس کی نسبت اللہ تم پر زیادہ اختیار رکھتا ہے۔''

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، میں نے کہا کہ اللہ کے رسول! میں نے اسے اللہ کے لیے آزاد کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

《 أما لو لم تفعل للفحتک النار، اولمستک النار 》

''دیکھو! اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں آگ جھلساتی یا تمہیں آگ چھوتی۔''[2]

غلاموں، باندیوں سے متعلقہ ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ جب کلی طور پر مملوکہ باندی یا غلام کے ساتھ ایسے سلوک کی اجازت نہیں تو فقط ماتحت مزدور کے ساتھ ایسے ناروا سلوک کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟

(11) مزدور کو عبادت کی آزادی ہونی چاہیے

مزدور کے تعلق سے ضروری ہے کہ اسے مکمل عبادات اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے وقت دیا جائے اور یہ مزدوری اس میں مانع نہ ہو اگر کسی مزدور کو اس قسم کی رکاوٹ ہو تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مزدوری چھوڑ دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

《 لاَ طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي المَعْرُوفِ 》[3]

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت حلال نہیں ہے، اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم :1457، كتاب الايمان ، باب صحبة المماليک و كفارة من لطم عبده

[2] صحیح مسلم : 1459 ،كتاب الايمان باب صحبة المماليک و كفارة من لطم عبده

[3] صحيح البخاري : 7257 ، كتاب أخبار الآحاد ، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام

نیز قرآن کریم میں بھی عبادات پر دنیا کو ترجیح دینے والے لوگوں کی خوب مذمت کی گئی ہے:

﴿الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓـئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ﴾(ابراہیم:3)

''جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے اور اس میں (اپنی خواہشوں کے مطابق) ٹیڑھ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔یہی لوگ گمراہی میں دور تک نکل گئے ہیں۔''

سورۃ العلق میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓىۙ‏ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰىؕ‏ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ‏ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰىؕ﴾(العلق:11 تا14)

''بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔یا وہ (دوسروں کو) پرہیزگاری کی تعلیم و تلقین کرتا ہوا ب بتایئے! اگر اس نے (دینِ حق کو) جھٹلایا ہے اور منہ پھیر لیا ہے (تو اس کا کیا حشر ہوگا)۔تو کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔''

12 نبوی وصیت کو کبھی نہ بھولیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت یہی تھی:

«الصلوة وما ملكت أيمانكم » [1]

''نماز (کی حفاظت کرو) اور (باندیوں اور غلاموں کی) جو تمہارے ہاتھوں کی ملکیت ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ بار بار فرمائے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان رک گئی۔

مذکورہ گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ ان تمام تر نکات سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین مزدوروں کے حق میں کس قدر رحمت سے بھرے ہوئے اور شرعی تعلیمات میں انتہائی عمدہ طرز پر مزدوروں کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب و تلقین موجود ہے۔

هذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

---

[1] سنن ابن ماجه : 1425، كتاب الجنائز ، باب ما جاء في ذكر مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم ، السلسلة الصحيحة 848

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

عبد المجید محمد حسین بلتستانی [1]

نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ رب العالمین نے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء:107)

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ مکمل کی مکمل رحمت پر مبنی ہے، آپ کی ذات جس بھی کردار میں ہو وہ جہاں والوں کے لیے مرقعِ رحمت رہی۔ اپنے ہوں یا اغیار سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے معترف ہوئے۔ محض حالت امن میں نہیں بلکہ حالت جنگ میں دشمنوں کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا حسنِ سلوک سرانجام دیا کہ ان میں بہت سے مسلمان ہو گئے۔ زیر نظر تحریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ آپ کی اس رحمت کے بنیادی طور پر دو پہلو تھے:

1 حالتِ جنگ میں دشمن کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک 2 قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنِ سلوک

اسلام میں جنگ ایک اضطراری شکل ہے کہ جب دشمن امن سکون سے رہنے نہ دے، چھیڑ چھاڑ کرے تو پھر آخری حربے کے طور پر جنگ جیسا انتہائی قدم اٹھایا جاتا ہے۔ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی بھی جنگیں کی ہیں ان میں پہل دشمنوں نے کی ہے اور آپ نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾(التوبۃ:13)

''کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلی بار تم سے ابتدا کی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔''

اس حوالے سے مزید کافی تفصیل کے ساتھ معروف عالم دین، بہت سی کتب کے مؤلف ومترجم الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ (ترجمان سپریم کورٹ الخبر، سعودی عرب) اپنی کتاب ''سیرۃ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں لکھتے ہیں: ''سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص پہلو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات وسرایا ہیں، جن کے بارے میں معاندین اسلام اور دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں بڑی غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ وہ لوگ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی نشر واشاعت اور لوگوں کو زبردستی دین قبول کرانے کے لیے نعوذ باللہ خوب تلوار چلائی۔ اور خون ریزی کی تھی۔ ہم ان کے اسی دعوے کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ اس میں کہاں تک معقولیت ہے؟

حقیقت یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی ترویج واشاعت تلوار سے نہیں بلکہ اپنے اخلاق عالیہ اور دعوت وتبلیغ سے کی تھی۔ اور جو جنگیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑی تھیں وہ جنگیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلط کی گئی تھیں اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکمِ الٰہی مدافعانہ جہاد کر کے اپنا فرض ادا کیا تھا۔

صحیح بخاری ومسلم شریف میں مذکور ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جن مدافعانہ غزوات وسرایا میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، ان کی مجموعی تعداد انیس (19) ہے۔ اور ان میں سے بھی کل آٹھ میں قتال کی نوبت آئی۔

اور وہ غزوات وسرایا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو روانہ فرمایا، ان کی مجموعی تعداد بقول امام ابن اسحاق اڑتیس (38) ہیں۔

جبکہ ماضی قریب کے محقق سیرت نگار جسٹس علامہ (قاضی محمد سلیمان) منصور پوری (رحمہ اللہ) نے 2ھ

سے 9ھ تک آٹھ سال کے مابین عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا کا بڑی تحقیق دقیق اور عرق ریزی سے ایک نقشہ تیار کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات یا غزوات وسرایا کی تعداد بیاسی (82) تھی۔
(یہ نقشہ مع مفصل احوال کے رحمۃ للعالمین ،جلد دوم، صفحہ نمبر 172 سے صفحہ نمبر 205 پر موجود ہے۔ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔)

بعض لوگ بیاسی (82) کا عدد سنتے ہی اچھل پڑتے اور فتویٰ داغ دیتے ہیں کہ لو جی ثابت ہو گیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوب تلوار چلائی۔ حالانکہ اس عددِ کبیر میں 32 وہ دستے بھی شامل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وقتاً فوقتاً دشمن کی نقل وحمل سے باخبر رہنے اور راستوں کی نگرانی کے لیے روانہ فرمائے تھے۔ پانچ دستے تبلیغی سفر پر نکلے تھے۔ انہی میں سے پندرہ سریے یا دستے وہ بھی ہیں جو قتل ڈکیتی کی وارداتوں اور غداری کے جرم میں، لوٹ لوگوں کے تعاقب اور گوشمالی کے لیے روانہ فرمائے تھے۔ چھ دستے بعض غلط فہمیوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے جو نہ صرف کفار و مسلمین بلکہ خود مسلمانوں کے مابین بھی وقوع پذیر ہوئے۔ تین دستے بت شکنی کے لیے نکلے۔ تین دستے دشمن کا تعاقب کرنے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے اور پانچ مختلف مقامی یا شخصی واقعات بھی سریہ کہلوائے۔

یہ تریسٹھ ایسے واقعات ہیں کہ جو غزوات سرایا میں تو شمار کیے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی کفر و اسلام کا مقابلہ نہیں ہوا۔ اسی طرح کتنے ہی دوسرے واقعات بھی ہیں۔ صرف آٹھ سات غزوات ایسے ہیں جن میں کفر و اسلام کا باقاعدہ مقابلہ ہوا اور ان میں بھی مسلمانوں نے صرف دفاعی مقابلہ کیا، کبھی بھی جارحانہ حملے کی ابتدا نہیں کی۔

جہاد اسلامی کے تقدس کو جنگ اور خون ریزی کا نام دینے والے معاندین نہ واقعہ کی علت دیکھتے ہیں، اور نہ مسلمانوں کے مدعا تلاش کرتے ہیں بلکہ ہر واقعہ کے بارے میں اپنی یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ یہ بھی لوگوں کو زبردستی دینِ اسلام میں داخل کرنے کے لیے پیش آیا تھا۔ ان عیاروں کی چرب زبانی کے نتیجے میں اللہ کے کچھ سادہ دل بندے مسلمان بھی یہی سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہر وہ نقل وحرکت جنگ ہی کے لیے تھی۔

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدم جارحیت کے معاہدے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تلوار چلانے نہیں، بلکہ امن وآشتی اور صلح وسلامتی قائم کرنے آئے تھے۔

اور اگر انسانی ہمدردی کے ان علمبرداروں کو جائز وناجائز ہر مشکل میں بہائے گئے خون کی سرخی سے ڈر لگتا ہے تو پھر دوسروں کے منہ لگنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر تو لیں جس کا ہر درودیوار خون سے لت پت ہے۔عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا میں تو فریقین کے کل ایک ہزار اٹھارہ (**1018**) آدمی جنگ میں کام آئے۔

اگر بالفرض ان **82** غزوات وسرایا کو جنگیں ہی تسلیم کر لیا جائے تو آپ کل مقتولین **1018** کو **82** پر تقسیم کریں۔صرف ساڑھے بارہ مقتول اوسط نکلتی ہے۔کیا ایسی لڑائیوں کو عقل سلیم کی روشنی میں صدہا سالہ مذاہب کے جبراً ترک کروانے اور اسلام قبول کروانے میں کافی مؤثر قرار دیا جاسکتا ہے؟

ان تمام لڑائیوں میں کفار کے چھ ہزار پانچ سو چونسٹھ (**6564**) آدمی قیدی بنائے گئے جن میں سے چھ ہزار (**6000**) صرف غزوۂ حنین میں اسیر کیے گئے۔باقی جنگوں میں، اسیروں کی اوسط صرف سات نکلتی ہے۔کیا یہ تعداد پورے ملک کو تبدیلیٔ مذہب کے لیے مجبور ہونے کا سبب قرار دی جاسکتی ہے؟اور پھر ہمارے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاقی کارنامہ دیکھیں کہ صرف دو قیدیوں کو ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا باقی تمام کو رہا کر دیا تھا۔ ''[1]

قاضی صاحب رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے برتاؤ کو ذکر کرنے بعد جنگ عظیم اول کا ذکر کرتے ہیں کہ اس میں انسانوں کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔لکھتے ہیں: '' دنیا کے ملحمۃ العظمیٰ (عظیم ترین جنگ جو **14** اگست **1914**ء سے شروع ہو کر تاریخ **3** مارچ **1917**ء تک متمدن دنیا کے حصہ کثیر پر جاری رہی) کے نقصانات دیکھو۔انگلستان کا مقصد اس جنگ میں صرف اتنا ہی بتایا گیا کہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی اور حفاظت کو برقرار رکھا جائے۔صرف اتنے مقصد کے لیے لاکھوں نفوس اور اربوں اشرفیوں کو خاک وخون میں ملا دیا گیا۔سیکڑوں جہاز سمندر میں غرق ہو چکے تجارت عالم مخدوش ہوگئی، عیش وآرام کے سب سامان تباہ ہو چکے، بایں ہمہ امید حصول مقصد آئندہ

---

[1] سیرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: 332-335۔

قربانیوں کے واسطے انگلش قوم پری مستعدی سے آمادہ ہے''۔

اس کے حاشیہ میں قاضی صاحب رحمہ اللہ اخبار ہمدم 17 اپریل 1919ء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس مذکورہ بالا جنگ میں کتنی جانیں تلف ہوئیں، چنانچہ وہ رقمطراز ہیں: ''اخبار ہمدم 17 اپریل 1919ء نے جنگ عظیم از 1914ء تا 18ء کے مقتولین کی تعداد مندرجہ ذیل طبع کی ہے: روس 17 لاکھ، جرمنی 16 لاکھ، فرانس 13 لاکھ ستر ہزار، اٹلی 4 لاکھ ساٹھ ہزار، آسٹریلیا 8 لاکھ، برطانیہ 7 لاکھ، ترکی 2 لاکھ پچاس ہزار، بیلجئیم 1 لاکھ دو ہزار، بلغاریہ 1 لاکھ، رومانیہ 1 لاکھ، سرویا مانٹی 1 لاکھ، امریکہ 50 ہزار، ان سب مقتولیں کل تعداد 73 لاکھ اڑتیس ہزار بنتی ہے۔ مضمون نگار کو شک ہے کہ انگلستان وفرانس کی تعداد میں ہندوستان اور فرانس کی نو آبادیوں کے مقتولین کی تعداد شامل ہے یا نہیں مگر یہ اقرار ہے کہ زخمیوں، اسیروں اور گمشدوں کی تعداد مذکور بالا عدد میں شامل نہیں''۔[1]

پھر قاضی صاحب رحمہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوی دور کی 23 سالہ حیاتِ طیبہ میں ہونے والی جنگوں کے مقتولین کی کل تعداد ذکر کر کے اس پر بہترین انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خیال کرو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی کا جنہوں نے فریقین کی صرف 108 قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی واخلاقی ومادی وملی فوائد حاصل کیے تھے، جن کو بہ حیثیتِ مجموعی آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل نہیں کر سکا''۔[2]

آگے مختلف اہل مذاہب کی باہمی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''اہل دنیا کی لڑائیوں کا ذکر چھوڑو۔ مقدسین کی لڑائیاں لو، مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا۔ ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے''۔

اس کے بعد قاضی صاحب رحمہ اللہ نے جان ڈیون پورٹ کی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' کے حوالے سی نقل کیا ہے ''مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکتِ نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی

---

[1] رحمۃ للعالمین 2/204-205۔

[2] رحمۃ للعالمین، 2/205۔

ہے۔ جوعیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہوئی تھی۔

اکیلی سلطنت اسپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے بتیس ہزار آدمی زندہ جلائے گئے تھے''۔ [1]

دورِ حاضر میں انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں نے قیدیوں کے ساتھ کیسے کیسے انسان سوز مظالم کیے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، سَن **2001** ء میں افغانستان کے علاقے دشت لیلیٰ کا ہولناک اور خوفناک واقعہ پیش آیا تھا۔ جس میں کئی ہزار طالبان قیدیوں کو بغیر کسی مقدمہ کے لوہے کے کنٹینروں میں بند کر کے بھوکا پیاسا ہلاک کر دیا گیا تھا۔ وہ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترستے رہے۔ اور بچنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے پسینہ پی کر جان بچائی۔ یہ دنیا کے ہر جنگی قانون کے خلاف ہے اور انتہائی افسوسناک ہے۔

زندہ قیدیوں کے سروں کو تن سے جدا کر کے ان میں پٹرول بھر کر آگ لگائی گئی، اوران کے ناچتے جسموں کو دیکھ کر''زندہ لاشوں کا رقص'' کا عنوان دیا گیا۔ ابوغریب اور گوانتاناموبے میں قائم جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوا، ان پر کتے چھوڑے گئے، جسم کے نازک اعضا کو کرنٹ کے جھٹکے دیے گئے۔

حالتِ جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت وشفقت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے دورانِ جنگ بچوں عورتوں، بزرگوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

«وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، فَنَهىٰ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ» [2]

جنگ میں کسی موقع پر ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔

ایک صحابی کا کہنا ہے:« كنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فى غزوة فرأى الناس مجتمعين على شىء فبعث رجلا فقال: انظر علام اجتمع هؤلاءفجاء فقال على امرأة

[1] رحمۃ للعالمین 2/205۔

[2] صحيح بخاري،كتاب الجهاد،باب قتل النساءفى الحرب،حديث:3015، صحيح مسلم،كتاب الجهاد،كتاب الجهاد والسير،باب تحريم قتل النساء والصبيان ،حديث:1744۔

قتيل. فقال :ما كانت هذه لتقاتل . قال : وعلى المقدمة خالد بن الوليد فبعث رجلاً فقال : قل لخالد لا يقتلنَّ امرأة ولا عسيفاً»[1]

ایک جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کا جمگھٹا دیکھا تو ایک صحابی کو حکم دیا کہ دیکھو یہ کیا جمگھٹا ہے اس نے آکر بتایا کہ لوگ ایک مقتول عورت کی لاش پر جمع ہیں، (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ لڑائی کرنے والی تو نہیں تھی)، اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو۔ جو کہ لشکر کی قیادت پر مامور تھے۔ پیغام بھیجا کہ عورتوں اور مزدوروں کو نہ قتل کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے وقت قائدِ لشکر کو نصیحت فرماتے:«اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، ...»۔[2]

”(اللہ کا نام لے کر) نکلو، دھوکہ نہ دو، خیانت نہ کرو، (لاشوں کا) مثلہ نہ کرو، اور نہ ہی کسی بچے کو قتل نہ کرو۔“

حتیٰ کہ یہ بھی فرماتے کہ جو اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں ان سے تعرض نہیں کرنا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کا ذکر ہے:«اخْرُجُوا بِسْمِ اللهِ، تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، لَا تَغْدِرُوا، وَلا تَغُلُّوا، وَلا تُمَثِّلُوا، وَلا تَقْتُلُوا الْوِلْدَانَ، وَلا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ»۔[3]

”اللہ کا نام لے کر نکلو، جو بھی رب کا منکر ہے اس سے قتال کرو، دھوکہ نہ دو، خیانت نہ کرو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو اور نہ ہی عبادگاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو قتل کرو۔“

امام شوکانی(وَلَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ) کی بابت فرماتے ہیں:«فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ مَنْ كَانَ مُتَخَلِّيًا لِلْعِبَادَةِ مِنْ الْكُفَّارِ كَالرُّهْبَانِ؛ لِإِعْرَاضِهِ عَنْ ضَرِّ الْمُسْلِمِينَ»

اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کفار میں سے جو (جنگ وجدال سے لاتعلق ہوکر) اپنے عبادت گاہ

---

[1] سنن ابی داود،کتاب الجهاد،باب فی قتل النساء،حديث :2671۔

[2] صحيح مسلم،كتاب الجهادوالسير،باب تأميرالإمام الأمراءعلى البعوث---،حديث :1731.

[3] مسند احمد،4/461،حدیث:2728۔

میں بیٹھا ہے اسے قتل کرنا جائز نہ ہوگا جیسا کہ راہب وغیرہ۔[1]

ان دلائل سے واضح ہوا کہ جنگ میں بھی ان باتوں کا خیال کرنا کتنا ضروری ہے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

جنگ میں رحمت اور حسنِ سلوک کا دوسرا پہلو قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کا ہے جس سے متاثر ہوکر قیدیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان بھی ہوئی ذیل کے نکات میں آپ ﷺ کے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق ۔

(1) رحمتِ عالم ﷺ کا ثمامہ بن اثال سے سلوک

ثمامہ بن اثال جو کہ اپنے علاقے یمامہ کے سردار تھے مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش تھے آپ ﷺ نے ان کے خون کو رائیگاں قرار دے کر ان کی گرفتاری کا حکم دیا ہوا تھا، یہ آپ کے بعض صحابہ کے ہاتھ لگ گئے جب یہ عمرہ کی نیت سے مکہ جا رہے تھے، اور انھیں لاکر مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا صبح کی نماز کے لیے آپ ﷺ تشریف لائے بعد نماز اس سے گفت وشنید کی اس نے بڑی نخوت کے ساتھ جواب دیا، یہ معاملہ تین دن تک چلتا رہا اس دوران آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے مرتبے کا مکمل خیال رکھتے ہوئے اس کا اکرام کیا جائے تیسرے دن آپ نے اسے بغیر کچھ کہے رہا کرنے کا حکم دیا، یہ مسجد سے نکلا قریب ایک جگہ سے غسل کیا اور پھر دین اسلام کو قبول کیا۔[2]

(2) رحمتِ عالم ﷺ کا عدی بن حاتم طائی کی بہن سے سلوک

رحمتِ عالم ﷺ کے لشکروں نے جب عدی بن حاتم طائی کے علاقے بنو طے پر یلغار کی تو یہ عدی اپنے مال اسباب اہل وعیال سمیت نکل کھڑے ہوئے اور اپنی بہن کو بھول گئے جو کہ بعد میں قید ہوکر مدینہ لائی گئی، اس نے رحمتِ عالم ﷺ سے گزارش کی کہ ”میں سردار قوم کی بیٹی ہوں میرا باپ رحم وکرم میں مشہور تھا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اس کا مشغلہ تھا، غریبوں پر شفقت کیا کرتا تھا، وہ فوت ہوگیا، بھائی

---

[1] نیل الأوطار 7/292۔

[2] رحمۃ للعالمین 2/211، از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔

بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نکلا، آپ مجھ پر رحم کیجیے۔''

آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تیرے باپ میں مؤمنوں والی صفات تھیں۔اس کے بعد آپ نے اسے لباس زادِراہ اور سواری عطا کر کے نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔[1] جو کہ بعد ازاں نہ صرف ان کے اسلام کا باعث بنا بلکہ ان کے بھائی عدی بن حاتم بھی مسلمان ہو گئے۔ فللّٰہ الحمد والمنة

3 رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک

بدر کی جنگ جب اپنے اختتام کو پہنچی ستر صنادید قریش قتل ہوئے اور اتنے ہی بطور قیدی گرفتار ہوئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ سے ان کے بارے میں مشورہ کیا کہ

«ماترون فی هؤلاء الأسارىٰ؟»

ان قیدیوں کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! یہ اپنی ہی برادری کے لوگ اور اپنے خاندان کے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اس طرح ہمیں کافروں پر قوت و فوقیت حاصل ہوگی، پھر یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں اسلام کی توفیق سے بھی نواز دے۔

اس کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے ان کی رائے طلب فرمائی، انھوں نے عرض کیا: میری وہ رائے نہیں جو ابو بکر کی رائے ہے، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان قیدیوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کی گردنیں ماریں، عقیل کو علی کے حوالے کریں تا کہ وہ اس کا سر قلم کریں، میرا فلاں قریبی میرے حوالے کریں تا کہ میں اس کی گردن اڑاؤں، یہ لوگ کفر کے سرغنے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری رائے کی بجائے ابو بکر کی رائے قبول کرتے ہوئے انھیں فدیہ کے بدلے آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا، دوسرے دن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر بیٹھے رو رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ اور ابو بکر کس بات پر رو رہے ہیں؟ اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ رونے والی شکل ہی بنا لوں گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] رحمۃ للعالمین 1/222۔

﴿أبکی للذی عرض علی أصحابک من أخذھم الفداء لقدعرض علیّ عذابھم أدنیٰ من ھذہ الشجرۃ﴾

میں اس بات پر رو رہا ہوں جو تمھارے ساتھیوں کے مشورے پر قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھے پیش آئی (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:) میرے سامنے عذاب اس درخت سے بھی قریب کر دیا گیا تھا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ، فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾(الانفال:67-69)

"کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔(مسلمانو!) تم سامانِ دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (قیدیوں سے) جو کچھ لیا اس کے بدلے میں تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا پھر جو حلال پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس میں سے کھاؤ۔"[1]

بدر میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

ان قیدیوں کے رشتہ دار جو فدیہ دینے کی سکت رکھتے تھے وہ فدیہ دے کر انھیں چھڑا لے گئے اور جو فدیہ دینے کی سکت نہیں رکھتے انھیں اس شرط پر رہائی ملی کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں یہی ان کی رہائی کا فدیہ ہے، یہ بھی طے پا گیا تھا کہ وہ مدینے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں جب وہ اس میں

[1] سیرت انسائیکلوپیڈیا، 5/505-507۔

مہارت حاصل کرلیں تو یہی ان کا فدیہ ہوگا۔[1]

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی ایسے قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے بغیر کسی معاوضے کے بھی رہا کر دیا۔[2]

غزوۂ بدر میں قید ہونے والے ایک قیدی کے تاثرات

« وكان أبو عزيز بن عمير، أخو مصعب بن عمير لأبيه وأمِّه، في الأسارى، قال أبو عزيز :مرَّ بي أخي مصعبُ بن عمير، ورجل من الأنصار يأسرني، فقال :شدَّ يديك به، فإن أمَّه ذاتُ متاع، لعلّها تفديك. »

ابوعزیز بن عمیر رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے، وہ کہتے ہیں کہ بدر میں ایک انصاری مجھے قید کرنے کے لیے باندھ رہا تھا کہ میرے پاس سے مصعب بن عمیر کا گزر ہوا اس نے میری حمایت کی بجائے انصاری کہا: اسے اچھی طرح کَس کر باندھو، اس کی ماں بڑی دولت مند ہے جو اس کو چھڑانے کے لیے بہت مال دے گی۔

انھی ابوعزیز کا بیان ہے جو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے قیدیوں سے حسن سلوک کو بیان کرتے ہیں:

«فكنت في رهط من الأنصار حين أقبلوا بي من بدر، فكانوا إذا قدّموا غداءهم وعشاءهم، خصّوني بالخبز وأكلوا التمر، لوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم إياهم بنا، ما تقع في يد رجل منهم كسرة خبز إلا نفحني بها، فأستحي فأردّها فيردّها عَلَيَّ ما يمسّها.»

جب ہم مدینہ پہنچے تو مجھے ایک انصاری کے سپرد کردیا گیا، صبح شام جب اس نصاری کے گھر والے کھانا کھانے لگتے تو وہ مجھے روٹی کھلاتے خود کھجوروں پر گزارا کرتے، جب بھی ان میں سے کسی کو روٹی میسر ہوتی وہ دیتے مجھے شرم محسوس ہوتی میں لینے سے انکار کرتا لیکن ان کا اصرار غالب آتا اس لیے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] الرحيق المختوم، ص:314۔

[2] سیرت انسائیکلوپیڈیا 5/523۔

نے قیدیوں کے بارے میں حسنِ سلوک کی تاکید کی تھی۔ [1]

4 رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چچا عباس سے سلوک

یہ بدر میں قید ہوگئے، اور رسیوں میں جکڑے ایک انصاری کی قید میں تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو ان کے رونے کی آواز کو سن کر نہایت بے چین ہوگئے اس کے سبب آپ نہ سو سکے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو بے چین دیکھا تو عرض کیا کہ آپ جاگ رہے ہیں؟ فرمایا: عباس کے رونے نے مجھے بے چین کیا ہوا ہے، تو نے عرض کیا کہ کیا ان کی بیڑیوں کو ڈھیلی نہ کردی جائے؟ رسی ڈھیلی کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے کلی و بے چینی دور ہوئی اور آپ سکون سے سوئے۔

انصار نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فدیہ سے مستثنیٰ کرنا چاہا تو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا اور فرمایا: ان کا ایک درہم بھی معاف نہ کرو، اس معاملے میں کسی طرف داری کی کوئی گنجائش نہیں، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہی کیوں نہ ہوں۔ [2]

5 رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے داماد ابو العاص سے سلوک

ابو العاص بن ربیع، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ گان صحابہ کے قیدیوں سے حسن سلوک بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

«كنت مستأسرًا مع رهط من الأنصار-جزاهم الله خيرًا- كنا إذا تعشّينا أو تغدّينا آثرونا بالخبز وأكلوا التمر، والخبز عندهم قليل، والتمر زادهم حتى أن الرجل لتقع في يده الكسرة فيدفعها إليَّ۔»

وكان الوليد بن المغيرة يقول مثل ذلك ويزيد، قال: وكانوا يحملوننا ويمشون.

میں انصار کے ایک گروہ کے ہاں قید تھا -اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے- صبح شام وہ جب بھی کھانا کھاتے روٹی مجھے دیتے، جبکہ وہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے، ان دنوں مدینہ میں روٹی کم میسر تھی

---

[1] سیرت انسائیکلوپیڈیا، 5/504۔

[2] الصادق الامین، ص:344، از ڈاکٹر لقمان سلفی۔

کھجوروں کی بہتات تھی کبھی کبھار جب کسی کو روٹی کا کوئی ٹکڑا ملتا تو تو وہ اسے خود کھانے کی بجائے مجھے دے دیتا۔

ولید بن مغیرہ بھی جملہ قیدیوں میں شامل تھے، وہ کہتے ہیں: ہم جن کی قید میں تھے وہ اتنے بلند اخلاق کے پیکر تھے کہ خود پیدل چلتے اور ہمیں سواری کی سہولت مہیا کرتے۔[1]

ایسے ہی حقوق دینِ اسلام نے قیدیوں کو بھی دیے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. قیدی کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے، اسے انسان جانتے ہوئے مکمل حقوق دیے جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو جب صحابہ میں تقسیم کیا تو ان سے فرمایا: «استوصوابهم خيراً» ان کے ساتھ بھلائی کرو۔[2]
اور قیدیوں سے متعلق رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: «فكّوا العانى، قيديوں كو رہائی دلاؤ»۔[3]

2. انھیں کھانے پینے کی مکمل سہولت فراہم کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيراً ﴾ (الدہر:8)
''اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو قید بنایا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیڑیوں میں جکڑا پیش کیا گیا اس نے آپ کو پکارا تو آپ نے اس کی حاجت پوچھی تو اس نے کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایا جائے اور پیاسا ہوں پانی پلایا جائے، آپ نے اس کی ضرورت کو پورا کیا۔[4]

امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث میں لکھتے ہیں: «وَفِي الْحَدِيثِ: مَشْرُوعِيَّةُ إِجَابَةِ الأَسِيرِ إِذَا دَعَا، وَإِنْ كَرَّرَ ذَلِكَ مَرَّاتٍ، وَالْقِيَامُ بِمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنْ طَعَامٍ وَشَرَابٍ»[5]

---

[1] سیرت انسائیکلوپیڈیا 5/505۔
[2] رحمۃ للعالمین، از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ
[3] صحيح بخاری، كتاب الجهاد، باب فكاك الأسير، حديث: 3046۔
[4] صحيح مسلم، كتاب النذر، باب لا وفاء لنذر في معصية الله ---، حديث: 1641۔
[5] نيل الأوطار (7/ 360).

''اس حدیث میں قیدی کی ضرورت کو پورا کرنے کا بیان ہوا ہے، اگر چہ وہ اپنی ضرورت کے لیے بار بار ہی کیوں نہ تقاضا کرے، قیام وطعام کے حوالے سے سب چیزوں کا خیال رکھا جائے گا۔

3 جہاں قیدر کھا جائے وہ جگہ مناسب، وسیع ہوادار وسایہ دار ہو۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کے ساتھ سلوک کیا، انھیں مسجد جیسی ہوادار کھلی جگہ میں لا کر باندھا گیا۔[1]

4 قیدیوں کو مناسب لباس وغیرہ فراہم کیا جائے، جیسا کہ بدر میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بنا کر لائے گئے تو ان کے جسم پر کپڑا نہ تھا تو عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی قمیص انھیں پوری آئی تو آپ نے وہ انھیں پہنا دی، اور ابن ابی کو اس کے مرنے پر اس بدلے میں آپ نے اسے قمیص پہنائی۔[2]

امام عینی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کے ضمن میں لکھتے ہیں: «وَفِيه كسْوَة الأُسَارَى، وَالإِحْسَان إِلَيْهِم، وَلَا يتركون عُرَاة، فتبدو عَوْرَاتهمْ، وَلَا يجوز النّظر إِلَى عورات الْمُشْركين»[3]

اس (حدیث) میں قیدیوں کو لباس پہنانے اور ان کے ساتھ احسان کا بیان ہوا ہے، انھیں برہنہ نہ چھوڑا جائے کہ ان کے شرمگاہیں ظاہر ہوں، اور مشرکین کی شرمگاہوں کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

5 قیدی کے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے اس کی حیثیت کے مطابق سہولیات مہیا کی جائیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاتم طائی کی بیٹی کے ساتھ اس کے باپ کے مرتبے کا خیال کرتے ہوئے سلوک کیا، کیونکہ اس کا باپ صاحب حیثیت سردار آدمی تھا۔

اور جیسا کہ اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کے مرتبے کا مکمل خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا، کیونکہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا۔

اور ثمامہ ہی کے حوالے سے بعض روایات میں ہے کہ اسے بدن کی طہارت کے لیے غسل وغیرہ کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الخصومات، باب الربط والحبس فی الحرم، حدیث: 2423۔

[2] رحمۃ للعالمین، از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ

[3] عمدة القاري (14/ 257).

سہولت بھی دی گئی، جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے آپ نے ﷺ کسی سے فرمایا کہ اسے فلاں کے باغ میں لے جاؤ اور اسے کہو کہ نہالے۔[1]

6 قیدیوں کو دوا اور ضروری علاج ومعالجہ کی سہولت فراہم کی جائے، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنگ میں چارسو کے قریب زخمی قیدی تھے جنھیں ان کے قبائل کے حوالے کر دیا کہ وہ ان کے علاج ومعالجے کا بندوبست کریں۔

7 قیدیوں کی رسی، بیڑی وغیرہ کو ڈھیلا رکھنا کہ اس کی سخت بندش سے انھیں تکلیف نہ ہو، انھیں اس طرح نہ جکڑا جائے کہ ان کا ہلنا جلنا محال ہوجائے، یا سانس لینے میں دقت ہو یہ امر ازروئے شرع بھی جائز نہیں اور حقوق انسانی کے بھی منافی ہے۔

جیسا کہ نبی ﷺ اپنے چچا عباس کے بیڑیوں میں سختی کے ساتھ جکڑے جانے اور اس تکلیف پر ان کے رونے کی آوز سن کر بے چین ہو گئے تھے اور آپ ﷺ نیند نہیں آرہی تھی بالآخر بیڑی کو ڈھیلا کیا گیا تو آپ کی بے چینی کے راحت میں تبدیل ہوئی اور آپ سکون سے سوئے، اور آپ ﷺ کی رحمت وشفقت ملاحظہ کیجیے کہ جب پیارے چچا کو یہ سہولت حاصل ہوئی تو ان کے ساتھ قید دیگر قیدیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا کہ ان کی بھی بندشیں ڈھیلی کر دی گئیں۔[2]

8 قیدیوں کو بہیمانہ تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے، اور نہ ہی زندہ یا مُردہ ان کا مثلہ (ان کے ناک، کان اور انگلیاں وغیرہ کاٹنا) کیا جائے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے «وینهی عن المثلة»۔[3] آپ ﷺ لاشوں کا مثلہ کرنے سے منع کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: «لعن النبی-ﷺ-من مثّل بالحیوان»۔[4] آ آپ ﷺ نے

---

[1] مسند احمد، حدیث: 8037۔

[2] رحمۃ للعالمین: 2/78، از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة عكل وعرينة، حديث: 4192۔

[4] صحیح بخاری کتاب الذبائح، باب مايكره من المثلة، حديث: 5515۔

جانوروں کے مثلہ کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

یہاں جانور کے مثلہ کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے، چہ جائیکہ ایک انسان جو کہ محترم ومشرّف ہے اس کا زندہ یا مُردہ حالت میں مثلہ کیا جائے؟؟!!۔

یہ کچھ نمونے کے طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب جنگ اور قیدیوں کے ساتھ برتے جانے والے سلوک کے حوالے سے پائے جانے والے تاریخ کے چند سنہرے واقعات کو قلمبند کرنے کا موقع اللہ رب العالمین نے میسر فرمایا۔ یہ اس مالک کا بہت بڑا احسان ہے۔ مقصد محض نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت وشفقت اور اغیار کے ساتھ اخلاق عالیہ کی اعلیٰ مثالیں پیش کرنا مقصود تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو لوگ کثرت سے پڑھیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جتنی محبت بڑھا سکتے ہیں بڑھائیں کیونکہ یہی توشہ آخرت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
غیر مسلموں ذمیوں اور معاہدین کے ساتھ رحمت بھرے سلوک کی ایک جھلک

جواد موسیٰ المدنی [1]

بسم اللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد!

قارئین کرام! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اخلاق اپنے کمال پر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمام اخلاقِ حسنہ کا مجموعہ ہے اس لیے رب ذوالجلال نے فرمایا:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (سورۃ الاحزاب:21)

''بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

لیکن اخلاق حمیدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ رحمت اپنے عروج پر ہے اور کیوں نہ ہو! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء:107)

ترجمہ: ''اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر جہانوں پر رحم کرتے ہوئے۔''

وہ رحمت کہ جس سے سب مستفید ہوئے، کیا اپنے، کیا پرائے، انس و جن، مسلم غیر مسلم، غلام و آزاد، ذمی و معاہد، دوست و دشمن، چرند و پرند، جماد و نبات، غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت شاملہ و کاملہ سے سب مستفید ہوئے۔ اسی لیے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی رحمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار کرنا پڑا۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر البیان انگلش میگزین

فرانسیسی مستشرق ''ہنری لیمنس''، اپنی کتاب ''اسلام'' میں لکھتا ہے کہ اگر ہم عمومی طور پر محمد ﷺ کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو انہیں خالص رحمت پاتے ہیں۔ [1]

ایک اور جگہ اطالوی مستشرق لکھتی ہے: ''محمد ﷺ انتہائی درگزر کرنے والے تھے، خاص طور پر دوسرے مذاہب کے پیروں کاروں کے ساتھ۔'' [2]

اگر صرف غیر مسلموں کی گواہیوں کو جمع کیا جائے تو رسول رحمت کے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک پر ایک مستقل ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر یہاں بطور مثال چند ذکر کر رہے ہیں، تمام چیزوں کا احاطہ مطلوب نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا معاملہ رحمت غیر مسلموں کے ساتھ

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ رحمت نبی کریم ﷺ کی ذات کا اہم اور غالب پہلو تھا مگر وہ لوگ جو آپ ﷺ کے مشن ﴿دعوة إلى الله﴾ کے مخالف تھے اور انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ مخالفت کی اور آپ ﷺ کو مختلف طریقوں سے تکالیف پہنچائی، ان کے ساتھ بھی نبی مکرم ﷺ نے رحمت کا معاملہ فرمایا۔

آپ ﷺ کی خاص بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت شاملہ تھی وہ اپنوں کے ساتھ ساتھ غیروں پر بلکہ وہ جنہوں نے آپ ﷺ کو ایذا و تکالیف پہنچائی تھیں ان کو بھی رحمت کے ساتھ تعامل فرماتے۔

امی عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت بنی کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ کو سلام کرنے کے بجائے 'السام علیکم' یعنی تم پر ہلاکت ہو، کہہ کر مخاطب کیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی تو میں نے جواب دیا کہ تم پر ہلاکت اور بربادی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ عائشہ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ [3]

---

[1] ''الاسلام''، ہنری لیمنس، الاسلام، ص-55

[2] دفاع عن الاسلام، لورا فيشيا فيغلري ص 75

[3] صحيح البخاري - كتاب الأدب - باب الرفق في الأمر كله:6024، صحيح مسلم - كتاب السلام - باب النهي عَنْ ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يرد عليهم:2165

سبحان اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنصر رحمت دیکھیں کہ نہ صرف غلط بات کہنے پر درگزر فرمایا بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب جواب دیا تو اس جواب میں بھی تلخی سے منع فرمایا اور 'وعلیکم' یعنی 'تم پر بھی' کہنے پر اکتفا کیا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیر مسلموں کے ساتھ رحمت کا معاملہ اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ کفار اور غیر مسلم جنہوں نے وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکالیف پہنچائی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف انہیں معاف فرمایا بلکہ ان کے ساتھ ایسا رحمت کا معاملہ فرمایا کہ تاریخِ انسانی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔

سہیل بن عمرو قریش کے اکابرین میں سے تھے اور ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے دورِ جاہلیت میں اسلام اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ خود اپنی زبانی اس واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: ''فتح مکہ کے روز میں نے خود کو اپنے گھر میں بند کر لیا اور میرے اکثر بیٹے فاتح مسلمان فوج میں شامل تھے اور مجھے اپنے پچھلے کرتوتوں کی وجہ سے امان کی کوئی امید نہ تھی کیوں کہ میں نے بدر، اُحد اور حدیبیہ میں کفار کی طرف سے شرکت کی تھی۔

کہتے ہیں میں نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن سہیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ کیا کہ مجھے امان دی جائے جب عبد اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ انہیں امان دیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا تردد انہیں امان دیدی۔ نَعَمْ، هوَ آمن بِأَمَانِ الله،[1] بلکہ ان کی پیرانہ سالی کا خیال رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم بھی دیا کہ کوئی بھی سہیل بن عمرو کی طرف نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔''

«مَنْ لَقِيَ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فلاَ يَشُد النظَر إِلَيهِ »[2]

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے رحمت کی اس بارش نے سہیل رضی اللہ عنہ کے بنجر دل پر اثر کیا اور آپ فوراً مسلمان ہو گئے۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر دیکھتے ہیں کہ فضالہ بن عمیر جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا

---

[1] الإصابة في تمييز الصحابة ، ابن حجر 219/3

[2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ابن عبدالبر:57/3

جا سکتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بحیثیت فاتح کے داخل ہوئے تو فضالہ اس وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے درپے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ فضالہ نے اپنے کپڑوں میں تلوار چھپالی تاکہ موقع ملنے پر اپنے ناپاک ارادے کو پورا کر سکے اور دعویٰ کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، تاکہ مسلمان انہیں چھوڑ دیں پھر فضالہ بیت اللہ میں مطاف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے جہاں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طوافِ بیت اللہ فرما رہے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضالہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: فضالہ! کہا: جی فضالہ ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا دل میں کیا ارادہ رکھتے ہو؟ جواب دیا: کچھ نہیں۔ بس اللہ کا ذکر رہا ہوں۔ جواب سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرادئے اور کہا: استغفار کرو فضالہ! اور فضالہ کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور فضالہ کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اٹھایا بھی نہیں تھا کہ میرے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے محبوب نبی کریم بن چکے تھے۔

سبحان اللہ! ایک انسان جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے درپے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ فرمائیں! ایسا صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہی ممکن ہے۔[1]

اسی طرح عرب کے وہ قبائل جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوشل بائیکاٹ کیا اور تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعبِ ابی طالب کی گھاٹی میں محصور رہنے پر مجبور کیا فتح مکہ کے موقع پر ان کے لئے ایسی مثال قائم کردی کہ جس کی نظیر تاریخ اسلامی تو کیا تاریخ انسانی میں نہیں مل سکتی۔

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی ایک اور بے نظیر مثال ہمیں اس واقعے سے بھی ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر مامور ایک یہودی بچہ بیمار ہوگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے کی تیمارداری کے لئے تشریف لے گئے۔ اللہ اکبر!

اسلامی ریاست کا سربراہ، ریاست مدینہ کا حکمران اپنے ایک غیر مسلم خادم کی عیادت کو جا رہا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں کہ جبکہ اس بچے پر نزاع کا عالم تھا اسے

---

[1] سیرہ ابن ہشام۔2/333 البدایہ والنہایہ۔4/352

اسلام کی دعوت دی تو اس بچے نے اپنے والد سے اجازت طلب کی اس پر اس کے باپ نے کہا«اطع أبا القاسم»''ابو قاسم کی اطاعت کرو''اور وہ بچہ اسلام لے آیا اور نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ

«الحَمْدُ لله الّذِي أَنقَذَهُ مِنَ النّار »[1]

''الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے بچا لیا۔''

اس واقعے سے جہاں ہمیں نبی کریم ﷺ کی غیر مسلموں، بچوں، خادموں کے ساتھ شفقت و رحمت کا سبق ملتا ہے وہیں ہمیں دعوت دین کا نبوی منہج بھی ملتا ہے کہ دعوت کے کام میں کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیے اور نہ کسی کو حقیر جاننا چاہیے بلکہ دین کی دعوت ہر وقت ہر موقع پر احسن انداز میں پہنچانی چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کی ذمیوں اور معاہدین کے ساتھ رحمت

جہاں عمومی طور پر نبی کریم ﷺ نے تمام انسانوں بلکہ تمام کائنات کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمایا وہیں ذمیوں اور معاہدین پر بھی رحمت کا معاملہ فرماتے تھے۔

ذمی کی تعریف: وہ غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے۔[2]

معاہد کی تعریف: وہ غیر مسلم جو حاکم کی یا اس کے نائب کی اجازت (امان) کے بعد ملک میں داخل ہوتا ہے۔[3]

اس کی موجودہ مثال ویزہ حاصل کر کے ملک میں داخل ہونے والے غیر مسلم ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی رحمت ان ذمیوں اور معاہدین کے لئے بھی عام تھی اور آپ ﷺ نے نہ صرف زندہ بلکہ معاہد کے جنازے کا احترام کر کے رہتی دنیا تک کے لئے عظیم مثال قائم کر دی۔

ابن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ قیس بن سعد اور سہل بن حنیف قادسیہ میں تھے کہ وہاں سے جنازہ گزرا تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے جنازے کے احترام میں انہیں بتایا کہ جنازہ مقامی (غیر مسلم) کا ہے تو دونوں نے بیان

---

[1] صحيح البخاري - كتاب الجنائز - باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه:1356

[2] فیروز اللغات 691

[3] احكام الذميين والمستأمنين ، عبد الكريم زيدان

کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے آپ کو بتایا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا وہ نفس نہیں تھا۔''[1]

سبحان اللہ! نفسِ انسانی کا اتنا احترام اور آج ہمارے معاشرے میں اتنی بے وقعتی ہو چکی ہے کہ مسلمان کا جنازہ گزر رہا ہوتا ہے اور کھڑا ہونا تو درکنار کچھ لمحے ٹھہرنا بھی ہم پر دشوار ہوتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدین اور ذمیین کے لئے رحمت ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ مبارکہ سے بھی نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جان کی حفاظت فرمائی اور ارشاد فرمایا: «مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا۔»[2]

''یعنی جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک کو نہ پا سکے گا جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آتی ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ خود رحمت کا معاملہ ذمیوں اور معاہدین کے ساتھ رکھا بلکہ اپنی امت کو بھی اس کی تلقین کی اور ان معاہدین کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا ان کی دعوت کو قبول کیا انہیں تحائف پیش کئے اور ان کے تحائف کو قبول کیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن مسجد نبوی کے دروازے پر (ریشم کا) دھاری دار جوڑا بکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بہتر ہو اگر آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن اور زیارت کے لئے آنے والے وفود کے استقبال کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پہنا کریں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے تو وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔'' اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس طرح کے کچھ جوڑے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک جوڑا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے یہ جوڑا پہنا رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے عطارد کے جوڑے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا فرمایا تھا۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے تمہیں خود

---

[1] صحيح البخاري - كتاب الجنائز - باب من قام لجنازة يهودي:1312، صحيح مسلم - كتاب الجنائز - باب القيام للجنازة:961

[2] صحیح بخاری، کتاب الدیات:6914

پہننے کے لیے نہیں دیا چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ایک مشرک بھائی کو پہنا دیا جو مکے میں رہتا تھا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس واقعے میں دلیل ہے کہ کافر رشتے داروں سے صلہ رحمی اور ان کے ساتھ احسان کرنا اور انہیں ہدیہ پیش کرنا جائز ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاہدین کی دعوت قبول کیا کرتے تھے اس کا ثبوت ہمیں اس واقعے سے ملتا ہے کہ غزوہ خیبر میں جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور یہودیوں سے معاہدہ ہو گیا اس موقعے پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث بن سلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کا اہتمام کیا اور اس میں اس بد بخت عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر آلود بکرے کا گوشت پیش کیا۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معلوم ہوجانے پر اس عورت کو معاف کر دیا۔ اس سے زیادہ اور عظیم رحمت کا مظہر ہمیں انسانی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتا۔

معاہدین اور ذمیین کے حقوق کی اس سے زیادہ اور کیا حفاظت ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«اتقوا دعوة المظلوم ، وان كان كافرا ، فانه ليس دونها حجاب»[3]

''یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

اور رحمت کی اس سے اعلیٰ کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »[4]

---

[1] متفق عليه۔ صحيح البخارى ،كتاب الجمعة ، باب يلبس احسن ما يجد/886-صحيح مسلم ، كتاب اللباس والزينة ، باب تحريم إناء الذهب والفضة، 2068

[2] صحيح البخاري - كتاب الهبة وفضلها - باب قبول الهدية من المشركين:2617

[3] مسند احمد:12571 سلسلة صحيحة :767

[4] سنن أبي داؤد - كتاب الخراج والفيء والإمارة - باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارة:3052

''خبردار! جس کسی نے کسی عہد والے (ذمی) پر ظلم کیا یا اس کی تنقیص کی (یعنی اس کے حق میں کمی کی) یا اس کی ہمت سے بڑھ کے اسے کسی بات کا مکلف کیا یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔''

اس معنیٰ کا ایک اور قصہ سیرت طیبہ سے ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرلیا اور انہیں امان دے دی تو مسلمانوں نے ان کے کھیتوں اور باغوں میں جانا شروع کر دیا تو یہودیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع فرمایا اور نصیحت کی کہ ''ہم نے ان کے خون، ان کے اموال اور ان کی زمینوں وغیرہ کو امان دے رکھی ہے کیونکہ ہم نے ان سے (مزارعت) کا معاملہ کرلیا ہے لہٰذا معاہدین کے اموال ان کی بغیر اجازت حلال نہیں۔''

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محتاط ہو گئے کہ وہ بغیر قیمت یہود کے باغ کے پھل کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں سے کچھ رحمت کے نمونے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھے اور یہود و نصاریٰ معاہدین و ذمیین ان سے فائدہ اٹھاتے رہے، اسی لئے ربِ ذوالجلال نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء:107)

ترجمہ: ''اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر جہانوں پر رحم کرتے ہوئے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ربِ ذوالجلال عام مسلمانوں کو اس اخلاق نبوی سے آراستہ و پیراستہ فرمائے۔ آمین

وصلى الله عليه وسلم على نبينا محمد وعلى آله و صحبه أجمعين.

جانوروں کے ساتھ رحم

نبی کریم ﷺ کا جانوروں کے ساتھ رحمت بھرا سلوک

عبداللہ نور[1]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين اما بعد

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ساری کائنات کی تخلیق کے بعد انسانوں کو پیدا فرمایا اور دنیا میں انہی منصب خلافت دے کر اتارا، پھر دنیا کی ہر چیز کو انسانوں کے لیے منفعت قرار دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾(البقرہ:29)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا''

یعنی وہ ہی ہے جس نے تمھارے واسطے تم پر احسان اور رحم کرتے ہوئے تمہارے فائدے اور تمہاری عبرت کے لیے زمین کی تمام موجودات کو پیدا کیا۔نفعِ بشری کیلئے پیدا کی جانے والی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا خصوصی ذکر کیا اور اسے بطور امتنان واحسان بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ،وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ،وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ﴾(یس:73-41)

''کیا وہ نہیں دیکھتے ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے بھی پیدا کئے جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں، اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کے تابع فرمان کر دیا جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔انہیں ان میں سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں۔کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟''۔

[1] ریسرچ سکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

نیز فرمایا:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ.وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ.وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (نحل:7،6،5)

''اور تمہارے لئے چار پائے پیدا کئے ان میں تمہارے لئے جاڑے کے کپڑے اور کئی فائدے ہیں اور بعض کو ان میں سے کھالیتے ہو۔اور تمہارے لئے ان میں زینت ہے جب شام کو لاتے اور چرانے جاتے ہو،اور وہ تمہارا بوجھ اس بستی تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جان توڑ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے،بے شک تمہارا رب شفقت کرنے والا مہربان ہے''۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت انسانیت کا تاریک ترین اور گمراہ کن دور تھا،جس کی عمارت کی ہر اینٹ اپنی جگہ سے متزلزل اور بے بنیاد تھی،ظلم و جور کی چادر ہر جان و بے جان پر تنی ہوئی تھی،رحمت و مودت اور اخوت و بھائی چارگی نے دم توڑ دیا تھا،قدم قدم پر جنونیت و دیوانگی کے مدفن نے فطرت انسانی کو اپنے آپ میں دفن کرلیا تھا،اللہ تعالیٰ کی نت نئی مخلوقات پر مشتمل اس دنیا کی ہر ذی روح گھٹن اور بے کسی کی شکار تھی،انسانوں کے ساتھ جانور و حیوانات بھی رفق ونرمی سے سراپا محروم تھے۔بلکہ بسا اوقات ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے آرام و آرائش کا خیال رکھنے والے کو بنظر استعجاب دیکھا جاتا تھا اور اسے بے جا شوق پورا کرنے،ایک دوسرے پر اپنے آپ کی فضیلت ثابت کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے،دیوان جاہلی میں ایسے بہت سے قصوں کا ثبوت ملتا ہے۔جنہیں پڑھ کر انسانی طبیعت تکلیف ورنج اور دکھ محسوس کرتی ہے ان کی قساوت وسنگدلی کا عالم یہ تھا کہ فیاضی کی آڑ میں جانوروں کو عامیانہ طور پر مار گراتے تھے اور لوگوں سے کہتے:تم انہیں کھا جاؤ!،تو وہیں دو آدمی شرط لگا کر کھڑے ہوجاتے تھے اور باری باری سے اپنا اونٹ ذبح کرتے جاتے تھے،جو رک جاتا وہ ہار جاتا تھا،اور مذبوحہ جانوروں کو احباب کی

ضیافت کا ساماں کر دیتے تھے، حتی کہ ایک دستور کے مطابق جب کوئی مرجاتا تو اسکی سواری کے جانور کو اسکی قبر پر باندھتے اور اس کا غلہ، پانی اور گھاس بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ بھوک پیاس سے سوکھ کر اسی حالت میں مرجاتا، ایسے جانوروں کو (بلیہ) کہتے تھے، کبھی کبھی کسی خاص جانور کو باندھ کر تیر اندازی کرتے اور اپنا نشانہ درست کرتے، یا انہیں آپس میں لڑوا کر ان کی خوں ریزی کا لطف اٹھاتے تھے، حد تو یہ تھی کہ ان پر سواری کرتے، نقل مکانی اور بار برداری کا کام لیتے، جنگ وجدل میں بے دریغ استعمال کرتے لیکن ان کے کھانے، پینے کی چنداں پرواہ نہ کرتے تھے، مزید یہ کہ اگر اس جانور کا کوئی عضو اچھا لگتا تو اسے زندہ جانور سے یوں ہی کاٹ لیتے اور کھا جاتے، جنگلوں میں شب و روز نکل جانا اور بیجا ولغو شکار کرنا؛ بہادری کا معیار مانا جاتا تھا، انہیں ذبح کرنے اور کاٹنے کے معاملہ میں تو پتھر اور ناخن کا بھی استعمال کر لیتے تھے، جن سے جانور ذبح کم اور گھٹن سے زیادہ جاں سونپ دیتا تھا اور اگر کوئی جانور ان کے قابو و گرفت سے باہر ہو جاتا خواہ اس کی پیر سالی وضعف کی وجہ سے کیوں نہ ہو، اسے لعنت وملامت کا نشانہ بناتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایسے ہی پر آشوب حالات، بے دردوں اور بے دلوں میں رونما ہوا، اور ایک نبی امی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ردائے رحمت ہر سو پھیلانے لگے، جس کی شفقت و رحمت کی بساط نہ صرف انسانوں پر بلکہ حیوانات پر بھی دراز ہوئی، جیسا کی قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورہ الانبیاء:107)

"اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف انسانیت ہی کے لیے نہیں، بلکہ سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، جن کی رحمت کا اثر صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ اس سے متجاوز ہو کر آپ کا سایہ عاطفت و رحمت چرند پرند حیوانات تک کے لیے عام تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جانوروں کے ساتھ نرمی کی ہدایات دیں، وہیں عمل کے ذریعہ بھی جانور کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کر کے دکھایا، آج

جب کہ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر کئی تنظیمیں بیدار ہو رہی ہیں، کئی حکومتیں جانوروں کے تحفظ کے لیے سرگرم مہمیں چلا رہی ہیں، جانوروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنے والوں کے لیے کڑی سے کڑی سزائیں تجویز کی جا رہی ہیں، ان قوانین کے پامال کرنے والوں کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑ رہی ہیں، قربان جایئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر! جنہوں نے آج سے چودہ صدی قبل حیوانات کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حمایت کا اعلان فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جانور کو بھوکا رکھنے، اسے تکلیف دینے، اس پر سکت سے زائد بوجھ لادنے سے منع فرمایا، نیز جانور کو نشانہ بنانے، جانور پر لعنت کرنے والے کو مجرم قرار دیا، جانوروں کی تکلیف دہی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قساوتِ قلبی میں سے شمار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانوروں کے ساتھ رحمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال اور افعال سے احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاں انسانوں کے ساتھ رحم اور شفقت فرماتے وہیں جانورں کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ کرتے ان کی رعایت اور خیال رکھنے کا صحابہ کو حکم دیتے۔ جانوروں کے ساتھ رحمت کے انہی پہلوؤں میں سے چند کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے یہ آشکار ہو کہ دینِ اسلام محض انسانیت کیلئے نہیں بلکہ تمام کائنات کیلئے رحمت ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف مسلمانوں یا بنی نوع انسان کیلئے نہیں بلکہ حیوانوں اور چرند پر بلکہ تمام مخلوق کیلئے رحمت تھے بقول سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہ

«قد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يقلب طائر جناحيه في السماء إلا ذكر لنا منه علما» [1]

---

[1] مسند احمد، حدیث 20853

جانوروں سے رحمت ونرمی کے مظاہر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی بھوک مٹانے کی خاطر زندہ جانورں کے جسم کے کسی بھی حصے کا گوشت کاٹ کر کھالیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کے فعل سے سختی سے منع فرمایا۔ابی واقد اللیثی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:« قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَجُبُّونَ أَسْنِمَةَ الْإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ أَلْيَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا قُطِعَ مِنْ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ» [1]

''فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے ، وہاں کے لوگ (زندہ) اونٹوں کے کوہان اور (زندہ) بکریوں کی پٹھ کاٹتے تھے،آپ نے فرمایا:''زندہ جانور کا کاٹا ہوا گوشت مردار ہے۔''

زندہ جانور پرنشانہ بازی کی مشق کرنے سے منع فرمایا

بعض لوگ اپنے کھیل تماشہ اورتفریح کے لیے جانورں پر نشانہ بازی کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ایسے لوگوں پر لعنت بھی کی۔ چنانچہ سعید بن جبیر فرماتے ہیں:

« كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ، فَمَرُّوا بِفِتْيَةٍ،أَوْ بِنَفَرٍ، نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا، فَلَمَّا رَأَوْا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ«مَنْ فَعَلَ هَذَا؟» إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هَذَا » [2]

ترجمہ:''سعید بن جبیر کہتے ہیں میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا وہ چند جوانوں یا (یہ کہا کہ) چند آدمیوں کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر کا نشانہ لگا رہے تھے جب انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو وہاں سے بھاگ گئے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کون کر رہا تھا؟ ایسا کرنے والوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے۔''

---

[1] صحیح۔جامع ترمذی:2019

[2] صحیح بخاری:5515

سیدنا ان عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا» [1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار کو نشانہ بنائے۔''

جانور کے منہ پر داغ لگانے کی ممانعت

اکثر لوگ جن کا پاس جانور ہوتے ہیں وہ اپنے جانور پر نشانی لگاتے ہیں تا کہ دوسرے لوگوں کے جانورں سے مل نہ جائیں اور نشانی لگانے کا جو طریقہ رائج تھا وہ یہ کہ لوہے کی کوئی چیز گرم کر کے جانور کے منہ پر لگاتے ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھی کی ہے۔

«عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَرَّ عَلَيْهِ حِمَارٌ قَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِي وَسَمَهُ» [2]

''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سے ایک گدھا گزرا جس کے منہ پر داغا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اسے (منہ پر) داغا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''

جبکہ دوسری احادیث میں ضرورت کے تحت جسم کے پشت کے حصہ پر نشانی لگانے کی اجازت ملتی ہے۔

«أَنَّ نَاعِمًا أَبَا عَبْدِ اللهِ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ وَرَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا مَوْسُومَ الْوَجْهِ فَأَنْكَرَ ذَلِكَ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَا أَسِمُهُ إِلَّا فِي أَقْصَى شَيْءٍ مِنْ الْوَجْهِ فَأَمَرَ بِحِمَارٍ لَهُ فَكُوِيَ فِي جَاعِرَتَيْهِ فَهُوَ أَوَّلُ مَنْ كَوَى الْجَاعِرَتَيْنِ» [3]

''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ناعم ابو عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ انھوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرمارہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گدھا دیکھا جس کے چہرے کو

---

[1] سنن نسائی:4446

[2] صحیح مسلم:5552

[3] صحیح مسلم:5553

نشانی لگانے کے لیے داغا گیا تھا آپ نے اس کو بہت برا جانا، انھوں نے (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے کہا: اللہ کی قسم! میں جو حصہ چہرے سے سب سے زیادہ دور ہو اس کے علاوہ کسی جگہ نشانی ثبت نہیں کروں گا۔ پھر انھوں نے حکم دیا کہ گدھے کی سرین (کے وہ حصے جہاں دم ہلاتے وقت لگتی ہے) پر نشانی ثبت کی گئی یہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اس جگہ داغنے کا آغاز کیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور کو تنگ کرنے، ماں اور اسکے بچے میں جدائی ڈالنے سے منع فرمایا

سیدنا عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ((كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ، فَرَأَيْنَا حُمَرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ، فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا، فَجَاءَتِ الْحُمَرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا، رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَاوَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا............)) [1]

"سیدنا عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی، اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے، ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لیے تو چڑیا آئی اور (بچوں کے اوپر اردگرد) منڈلانے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "کس نے اس کو اس کے بچوں کے بارہ میں پریشان کیا ہے؟ اس کے بچوں کو چھوڑ دو۔" (ایک دوسرے موقع پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ چیونٹیوں کے بڑے بل کو ہم نے جلا ڈالا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا" اس کو کس نے جلایا ہے؟" ہم نے کہا: ہم نے جلایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" آگ کے رب کے سوا کسی کو جائز نہیں کہ آگ سے عذاب دے۔"

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کہ جانور ہوں یا پرندے انکے چھوٹے بچوں کو ان سے جدا نہیں کرنا چاہیے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جانور کو آگ سے جلانے سے بھی منع کیا ہے۔

[1] صحیح۔ سنن ابوداود: 2675

جانورکو ناحق مارنے اوران کا مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے

اللہ تعالی نے کسی بھی جان کو ناحق مارنے سے منع کیا ہے، چاہے وہ انسان کی جان ہو یا کسی حیوان کی ،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں واضح طور پر جانور کو ناحق مارنے کی ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:«انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ نَزَلَ نَبِيٌّ مِنَ الأَنْبِيَاءِ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَلَدَغَتْهُ نَمْلَةٌ، فَأَمَرَ بِجَهَازِهِ فَأُخْرِجَ مِنْ تَحْتِهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِبَيْتِهَا فَأُحْرِقَ بِالنَّارِ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ: فَهَلَّا نَمْلَةً وَاحِدَةً»[1]

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا زمانہ ماضی میں ایک نبی ایک درخت کے نیچے سے گزرے ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے اس کے چھتے کے متعلق حکم دیا تو وہ درخت کے نیچے سے نکالا گیا پھر اس کے گھر کی بابت حکم دیا تو اسے آگ میں جلا دیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم نے ایک ہی چیونٹی کو سزا کیوں نہیں دی۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ کسی جانور کو ناحق نھیں مارنا چاہئے، اوران کے حقوق کا مکمل خیال رکھنا چاہئے۔جانوروں کے حقوق کا تحفظ مغرب نے نہیں بلکہ سب سے پہلے اسلام نے کیا۔

جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:«مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُنَاسٍ وَهُمْ يَرْمُونَ كَبْشًا بِالنَّبْلِ فَكَرِهَ ذَلِكَ وَقَالَ لَا تَمْثُلُوا بِالْبَهَائِمِ »[2]

ترجمہ:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو ایک مینڈھے کو نشانہ بنا کر تیر مار رہے تھے۔آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا:''جانوروں کا مثلہ نہ کرو۔''

تشریح: مثلہ سے مراد یہ ہے کہ کسی کی شکل بگاڑنا یا زندہ جانور سے گوشت کاٹ کر الگ کرنا۔ظاہر ہے کسی جاندار (حیوان یا پرندے) کو باندھ کر تیروں کے ساتھ نشانہ بنانے سے شکل بھی بگڑے گی کیونکہ تیر چہرے پر بھی لگ سکتے ہیں اور تیر لگنے سے گوشت بھی الگ ہوسکتا ہے۔اس لئے اس اذیت ناک عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری:3319

[2] صحیح۔سنن نسائی:4445

جانوروں کو ذبح کرتے وقت نرمی کرنا

اللہ تعالی نے مسلمانوں پر کچھ جانور حلال کر دیے ہیں مسلمان ان جانوروں کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے ان کو کھا سکتا ہے لیکن رسول رحمت ﷺ نے اس معاملہ میں بھی ہمیں نرمی اور شفقت کا حکم دیا۔ چنانچہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«ثِنْتَانِ حَفِظْتُهُمَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» [1]

”میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے دو باتیں یاد کیں اور سیکھیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر بھلائی فرض کر دی ہے تو جب بھی تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب بھی تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور تم میں سے ذبح کرنے والے کو چاہیئے کہ اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے جانور کو آرام دے۔“

چھری تیز کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ اس سے جانور کی رگ فورا کٹ جائے گی اور اس کو ذبح کرتے وقت زیادہ تکلیف نہیں ہوگی۔

معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَآخُذُ الشَّاةَ لِأَذْبَحَهَا فَأَرْحَمُهَا، قَالَ: وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ » [2]

”میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرمایا کہ جب میں بکری ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر بکری کو ذبح کرتے وقت تم نے اس پر رحم کیا تو اللہ بھی تم پر رحم کرے گا۔“

---

[1] صحیح مسلم:5055

[2] صحیح۔سلسلة الأحاديث الصحيحة:26

ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ رَحِمَ، وَلَوْ ذَبِيحَةَ عُصْفُورٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [1]

''جس نے اپنے ذبیحہ پر رحم کیا چاہے وہ چڑیا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ روز محشر اس پر رحم فرمائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو ذبح کرنے میں شفقت اور رحم دلی کا حکم دیا وہیں اس بات کی تاکید بھی کی کہ جانور ذبح کرتے ہوئے اپنی چھریوں کو تیز کر لو لیکن اس عمل کو جانوروں کے سامنے کرنے سے منع فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ وَاضِعٍ رِجْلَهُ عَلَى صَفْحَةِ شَاةٍ ، وَهُوَ يُحِدُّ شَفْرَتَهُ، وَهِيَ تَلْحَظُ إِلَيْهِ بِبَصَرِهَا، قَالَ :أَفَلَا قَبْلَ هَذَا، أَوَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَتَانِ» [2]

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ شخص اپنی ایک ٹانگ بکری کی گردن پر رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا، اور وہ بکری اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو کہا کہ اسکو گرانے اور لٹانے سے پہلے اپنی چھری کو کیوں تیز نہ کیا؟، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کہا کہ کیا تو اسکو دو مرتبہ مارنا چاہتا ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند کیا اسی لیے حکم دیا کہ جو کوئی بھی جانور ذبح کرنا چاہے تو اسکو چاہیئے کہ اپنی چھری کو تیز کرے ذبح کرے لیکن چھری تیز کرنے کا عمل جانور کے سامنے نہ کرے۔

جانوروں کو بھوکا پیاسا نہ رکھا جائے

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں سے یہ تعلیمات بھی ہیں کہ انسان جانوروں کے ساتھ ہر طرح سے اچھائی کا معاملہ کرے انکو بھوکا پیاسا نہ رکھے ان پر رحم کرے اور انکو وقت پر کھلائے پلائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] صحیح۔سلسلة الأحاديث الصحيحة:27

[2] صحیح۔سلسلة الأحاديث الصحيحة24

ان بے زبان جانوروں کے بارے میں احسان کی بڑی تاکید کی ہے۔ جناب سہل ابن الحنظلیہ فرماتے ہیں:

«مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ، فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ، فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً، وَكُلُوهَا صَالِحَةً »[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ اس کی کمر سے لگ گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر سواری کرو تو بھلے انداز میں اور کھلاؤ تو بھی عمدہ طرح سے۔''

جانوروں کا اچھی طرح سے خیال رکھنے کا حکم دیا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوروں کا خود بھی خیال کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی اسکی تاکید کرتے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ عُشَيْشِيَةٌ وَدَنَوْنَا مَاءً مِنْ مِيَاهِ الْعَرَبِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَجُلٌ يَتَقَدَّمُنَا فَيَمْدُرُ الْحَوْضَ فَيَشْرَبُ وَيَسْقِينَا قَالَ جَابِرٌ فَقُمْتُ فَقُلْتُ هَذَا رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ رَجُلٍ مَعَ جَابِرٍ فَقَامَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَانْطَلَقْنَا إِلَى الْبِئْرِ فَنَزَعْنَا فِي الْحَوْضِ سَجْلًا أَوْ سَجْلَيْنِ ثُمَّ مَدَرْنَاهُ ثُمَّ نَزَعْنَا فِيهِ حَتَّى أَفْهَقْنَاهُ فَكَانَ أَوَّلَ طَالِعٍ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَأْذَنَانِ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَشْرَعَ نَاقَتَهُ فَشَرِبَتْ شَنَقَ لَهَا فَشَجَتْ فَبَالَتْ ثُمَّ عَدَلَ بِهَا فَأَنَاخَهَا ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحَوْضِ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ قُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ مِنْ مُتَوَضَّإِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔» [2]

[1] سنن ابوداود:2548

[2] صحیح مسلم:7516

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے جب شام ہوئی اور عرب کے ایک پانی سے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون شخص ہم لوگوں سے اگے بڑھ کر حوض کو درست کریگا؟ آپ بھی پیے اور ہم کو بھی پلائے گا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کھڑا ہوا اور عرض کیا: میں حاضر یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور کون شخص جابر کے ساتھ جاتا ہے تو جبار بن صخر اٹھے۔ خیر ہم دونوں آدمی کنویں کی طرف چلے اور حوض میں ایک یا دو ڈول ڈالے پھر اس پر مٹی لگائی، اس کے بعد اس میں پانی بھرنا شروع کیا یہاں تک کہ لبالب بھر دیا۔ سب سے پہلے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھلائی دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں شخص اجازت دیتے ہو مجھ کو پانی پلانے کی اپنے جانور کو؟ ہم نے عرض کیا: ہاں، یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو چھوڑا، اس نے پانی پیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی باگ کھینچی اس نے پانی پینا موقوف کیا اور پیشاب کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو الگ لے گئے اور بٹھا دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کی طرف آئے اور وضو کیا اس میں سے، میں بھی کھڑا ہوا اور جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تھا میں نے بھی وضو کیا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانور کو اپنے سے پہلے پانی پلایا اور جانور کا خیال کرتے ہوئے اسکو آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

جانوروں پر ترس کھانا بخشش کا سبب ہے

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: « بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنْ الْعَطَشِ فَقَالَ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ بِي فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ ثُمَّ رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا قَالَ فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ »[1]

''ایک شخص جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنویں میں اتر کر پانی پیا۔ پھر باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے (اپنے دل میں) کہا،

---

[1] صحیح بخاری: 2363

یہ بھی اس وقت ایسی ہی پیاس میں مبتلا ہے جیسے ابھی مجھے لگی ہوئی تھی۔ (چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور) اپنے چمڑے کے موزے کو (پانی سے) بھر کر اسے اپنے منہ سے پکڑے ہوئے اوپر آیا، اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کام کو قبول کیا اور اس کی مغفرت فرما دی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہمیں چوپاؤں پر بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا، ہر جاندار میں ثواب ہے۔

تشریح: ثابت ہوا کہ کسی بھی جاندار کو پانی پلا کر اس کی پیاس رفع کر دینا ایسا عمل ہے کہ جو مغفرت کا سبب بن سکتا ہے اور بندے کو جنت کا حق دار ٹھہرا سکتا ہے بشرطیکہ ایمان کی حالت میں وہ کام انجام دیا گیا ہو۔ جیسا کہ اس شخص نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا اور اسی عمل کی وجہ سے بخشا گیا۔

جانوروں کو بھوکا رکھنے سے منع فرمایا گیا اور ایسا کرنے والے کو سخت وعید سنائی گئی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «عذِّبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ قَالَ فَقَالَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِهَا وَلَا سَقَيْتِهَا حِينَ حَبَسْتِيهَا وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِهَا فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ »[1]

''ایک عورت کو، ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جسے اس نے اتنی دیر تک باندھے رکھا تھا کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ اور وہ عورت اسی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تھا.... اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے.... کہ جب تو نے اس بلی کو باندھے رکھا اس وقت تک نہ تو نے اسے کھلایا نہ پلایا اور نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتی۔''

معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر جانور کو بھوکا رکھنا اور اسکو تنگ کرنا یہ سب ایسے بڑے گناہ ہیں کہ انکی وجہ سے آدمی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

---

[1] صحیح بخاری 2365

سفر میں جانوروں کا حق ادا کرنے کی تلقین

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی بہت تاکید کی ہے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو جانوروں کا خاص خیال رکھیں:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ »[1]

''جب تم شادابی (کے زمانے) میں سفر کرو تو زمین میں سے اونٹوں کو ان کا حصہ دو اور جب تم خشک سالی (یا قحط زدہ زمین) میں سفر کرو تو اس زمین پر سے جلدی گزر و اور جب تم رات کے آخری حصے میں پڑاؤ ڈالو تو گزرگاہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ رات کو وہ (راستے کی) جگہ حشرات الارض کا ٹھکانا ہوتی ہے۔'' (وہاں اپنی خوراک کے حصول کے لیے آتے ہیں۔)

جانوروں کو بغیر ارادے کے کھلانے کا اجر بھی مسلمان کو ملتا ہے

جناب قتادہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»[2]

''کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرند یا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔''

سراقہ بن جعشم فرماتے ہیں کہ: « سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ تَغْشَى حِيَاضِي قَدْ لُطْتُهَا لِإِبِلِي فَهَلْ لِي مِنْ أَجْرٍ إِنْ سَقَيْتُهَا قَالَ نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتِ

---

[1] صحیح مسلم 4959

[2] صحیح بخاری: 2320

كَبِدٍ حَرَّى أَجْرٌ »[1]

’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک گم شدہ اونٹ میرے حوض پر آجاتا ہے جو میں نے اپنے اونٹوں (کو پانی پلانے) کے لئے (بنایا، سنوارا اور) لیپا ہے۔ اگر میں اس (گمشدہ اونٹ) کو پانی پلادوں تو کیا مجھے ثواب ملے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، حرارت محسوس کرنے والے، جگر رکھنے والے ہر جانور (کو پانی پلانے) میں اجر وثواب ہے۔‘‘

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر خاص نیت کرے بغیر کسی اور مقصد کیلئے بھی ایسی چیز لگائے یا بوئے جس سے ذی روح مستفید ہوں اور اپنا رزق حاصل کریں تو اس کا اجر بھی اس بیج بونے والے انسان کو ملے گا اور اپنے جانورں کے ساتھ دوسرے جانورں کا بھی خیال رکھنے کی ترغیب ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے۔

جانورں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کی ممانعت

سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «أَرْدَفَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ ذَاتَ يَوْمٍ، فَأَسَرَّ إِلَيَّ حَدِيثًا، لَا أُحَدِّثُ بِهِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ، وَكَانَ أَحَبُّ مَا اسْتَتَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ هَدَفًا، أَوْ حَائِشَ نَخْلٍ، قَالَ: فَدَخَلَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَإِذَا جَمَلٌ، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ، فَقَالَ: مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: لِي يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا! فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ»[2]

’’ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ سواری پر پیچھے بٹھالیا اور خاموشی سے مجھے ایک بات بتائی جو میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے چھپنے کی دو

---

[1] صحیح۔ سنن ابن ماجہ: 3686

[2] صحیح۔ سنن ابوداود: 2549

جگہیں بہت زیادہ پسند تھیں۔ یا تو کوئی اونچی جگہ ہوتی، یا کوئی کھجوروں کا جھنڈ ہوتا۔ آپ ایک بار ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ تھا، جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو رونے کی سی آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ تو ایک انصاری جوان آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا جس کا اس نے تجھ کو مالک بنایا ہے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا اور بہت تھکاتا ہے۔''

جانوروں پر بلا ضرورت بیٹھے رہنے کی ممانعت

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «قَالَ إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ، فَإِنَّ اللهَ إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ، وَجَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوا حَاجَتَكُمْ» [1]

"اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو منبر بنانے سے بچو، بلاشبہ اللہ عزوجل نے ان کو تمہارے تابع کیا ہے تا کہ تمہیں ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچا دیں جہاں تم جان کی مشقت کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے اور اس نے تمہارے لیے زمین بنائی ہے تو اپنی ضرورتیں اس پر پوری کیا کرو۔"

«عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيهِ - وَكَانَ أَبُوهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ارْكَبُوهَا سَالِمَةً وَدَعُوهَا سَالِمَةً وَلَا تَتَّخِذُوهَا كَرَاسِيَّ» [2]

''سیدنا معاذ بن حسن سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جانوروں پر اس حال میں سواری

---

[1] صحیح۔ سنن ابوداود 2567

[2] صحیح ابن خزیمہ: 491

کروں کہ جب وہ صحت مند اور تندرست ہوں اور تندرست حالت میں ہی انکو چھوڑ دو اور انکو اپنے بیٹھنے کے لیے کرسیاں مت بناؤ۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ احساس دلایا ہے کہ ہم جانور پر سوار ہو کر اسے تکلیف نہ پہنچائیں اسے آرام کرنے دیں، بغیر ضرورت کے جانور پر نہ بیٹھے رہا کریں۔

جانوروں پر لعنت کرنے اور گالی دینے کی ممانعت

ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ جانوروں کو زرا زرا سی بات پر بہت مار پیٹ کرتے ہیں ساتھ ساتھ انکو بد دعائیں اور گالیاں بھی دیتے ہیں، ان پر لعن طعن کرتے ہیں ان سب باتوں سے رسول رحمت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ایک مسلمان کیلئے عمومی ارشاد ہے کہ آپ نے اسے لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور جو بھی شخص لعن طعن کرتا ہے قیامت والے دن وہ سفارش سے محروم رہے گا سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لعن طعن کرنے والے قیامت والے دن سفارشی ہوں گے نہ گواہ۔''[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا﴾ [2]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن لعن وطعن کرنے والا نہیں ہوتا۔''

نبی کریم ﷺ سے جب کہا گیا کہ آپ مشرکین کے لیے بد دعا کریں تو آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً﴾[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: ''اللہ کے رسول! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے۔آپ نے فرمایا: '' مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم:6610

[2] صحیح۔جامع ترمذی:2019

[3] صحیح مسلم:2599

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:《كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ يَسِيرُ فَلَعَنَ رَجُلٌ نَاقَةً فَقَالَ :أَيْنَ صَاحِبُ النَّاقَةِ ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ :أَنَا.قَالَ :أَخِّرْهَا فَقَدْ أُجِبْتَ فِيهَا》[1]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں چل رہے تھے کہ ایک آدمی نے اونٹنی کو (سست روی پر) لعنت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِس اونٹنی کا مالک کون ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں اسکا مالک۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اسکو چھوڑ دو کیونکہ اس پر تم نے لعنت کی ہے جو واجب ہو چکی ہے۔''

یہ احادیث اس امر پر دال ہیں کہ جانوروں پر لعنت کرنے سے باز رہنا چاہئے کیونکہ جو جانور بھی ملعون ٹھہر گیا اس کی برکت ختم اور اس سے حاصل ہونے والا فائدہ چاہے دودھ کی شکل میں ہو یا سواری یا دیگر منافع کی شکل میں وہ بے برکت ہو جائے گا۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہی بے برکتی ہمارے گھروں اور جسموں میں سرایت کر جائے گی، جس کے سبب ہم خود ہوں گے۔

جانوروں کو تیز چلانے سے پرہیز کی تلقین

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ دوران سفر ان پر ریس نہ لگائیں اور تیز تیز نہ بھگائیں ضرورت سے زیادہ مشقت میں نہ ڈالیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس بات کا خیال کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تاکید کرتے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

《أَفَاضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَرَدِيفُهُ أُسَامَةُ وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ قَالَ فَمَا رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا عَادِيَةً حَتَّى أَتَى جَمْعًا زَادَ وَهْبٌ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ الْعَبَّاسِ وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ قَالَ فَمَا

[1] صحیح الترغیب والترہیب:2796 (صحیح) صحیح مسلم:2599

رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا حَتَّى أَتَى مِنًى» [1]

''کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے روانہ ہوئے تو بڑے آرام اور سکون سے چلے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا "لوگو! آرام سے چلو، نیکی گھوڑے اور اونٹ دوڑانے میں نہیں۔" سو میں نے دیکھا کہ (کوئی بھی سواری) اپنے دونوں (اگلے) پاؤں اٹھا کر نہ دوڑ رہی تھی حتیٰ کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے۔ وہب نے مزید کہا: پھر آپ نے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور فرمایا "لوگو! نیکی گھوڑے اور اونٹ دوڑانے میں نہیں، سکون سے چلو۔" اور میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی سواری اپنے دونوں پاؤں اٹھا کر چل رہی ہو۔ حتیٰ کہ آپ منیٰ میں آ گئے۔''

گذشتہ بیان کردہ تمام احادیث سے اللہ کے رسول ﷺ کا رحمۃ اللعالمین ہونے کا واضح مظہر ہیں اور آپ کی ایک ایک تعلیم سے رحمت جھلکتی ہے یہ رحمت محض انسانوں تک نہیں بلکہ جانوروں پر بھی آپ شفقت اور رحمت نظر آتی ہے۔ اور آپ نے ہر ذی روح کے حقوق متعین فرما دئے ہیں۔

آپ ﷺ نے خود بھی جانورں سے حسن سلوک کیا اور اپنی امت کو بھی اسی بات کی تاکید کی ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم کو تمام قسم کے حقووق ادا کرنے اور مخلوق کے ساتھ رحم اور حسن معاملہ کی توفیق عطا فرمائے۔

[1] صحیح۔ سنن ابوداود: 1920

تبصرہ بر کتاب
”خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت“

للمؤلف فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

تحریر: محمد فہد حارث

آج اس احقر کو جس کتاب پر تبصرہ کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے وہ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی تالیف ”خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت“ ہے جو کہ سید مودودی کی کتاب ”خلافت وملوکیت“ پر نقد کے ضمن میں 1970ء میں لکھی گئی تھی۔ 1948ء میں کتاب کی طباعتِ ثانی کا اہتمام کیا گیا اور اب سن 2018ء میں یہ کتاب اضافہ وتخریج کے ساتھ جدید طباعت کے زیرِ اہتمام پھر سے شائع کی گئی ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ مسلک اہلحدیث کی نمائندہ شخصیات میں سے ہیں۔ آپ کی تحریر میں جو سلاست و روانی ہے وہ بہت کم علماء کی تحاریر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ جس قدر وسیع المطالعہ ہیں اسی قدر کثیر التصانیف بھی۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف وتراجم و حواشی کی تعداد تقریباً ایک سو (100) سے متجاوز ہے۔

سید مودودی کی ”خلافت وملوکیت“ پر بہت سے لوگوں نے نقد لکھا لیکن جو اعتدال، جو سلجھا ہوا سنجیدہ لہجہ اور جو زورِ استدلال حافظ صاحب کی کتاب ”خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت“ میں دیکھنے کو ملتا ہے وہ شاید ہی کسی اور کتاب میں نظر آئے۔ کتاب کے شروع میں موجود عرضِ مصنف (طبع اوّل و دوم) پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، خاص کر عرض مصنف طبع اوّل جس میں حافظ صاحب سید مودودی کی ”خلافت وملوکیت“ کی اشاعت کے اصل محرکات کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ اس کتاب کے

پیچھے کوئی علمی و دینی مقصد کارفرما نہ تھا بلکہ یہ ایک ردِعمل تھا ایوب خانی آمریت کا جس سے زچ ہو کر ایک خاص سیاسی ذہن کے زیرِ اثر سید مودودی کے قلم نے مشاجراتِ صحابہ پر ناروا گفتگو کو اپنا موضوع بنایا۔ اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے خود سید مودودی اور ان کی جماعت کے کئی سیاسی اقدامات کو بطور نظیر پیش کیا ہے۔

عرض مصنف کے بعد مختلف اخبارات و رسائل میں حافظ صاحب کی اس کتاب سے متعلق جو تبصرے شائع ہوئے تھے، وہ سب ہدیۂ قارئین کئے گئے ہیں۔ ان تبصرہ جات میں مولانا تقی عثمانی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی، مولانا غلام اللہ خان، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا منظور نعمانی، مولانا حکیم سید علی عباسی اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری جیسی علمی شخصیت کے تبصرے شامل ہیں۔ ساتھ ہی جناب وارث سرہندی، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالحمید صدیقی اور مولانا محمد حنیف ندوی وغیرہم کے چند متعلقہ علمی مضامین بھی شاملِ کتاب کئے گئے ہیں۔ کتاب پر پیش لفظ جید اہلحدیث عالم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کے قلم سے ہے۔ کتاب پر مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کا ہے جو کہ دفاعِ صحابہ و کردارِ صحابہ سے متعلق اپنے اندر بیش بہا معلومات رکھتا ہے۔ گیارہ صفحات پر پھیلا یہ مقدمہ اس قابل ہے کہ اس کو ایک مستقل الگ رسالے کے طور پر بار بار شائع کروایا جائے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنی کتاب کو چھ ابواب میں مرتب کیا ہے۔ جن میں سے اول باب ''چند بنیادی نکات کی وضاحت'' کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ حافظ صاحب کی یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانی والی دوسری کتابوں سے اس لئے منفرد ہے کہ دوسری کتب میں عموماً صرف ان تاریخی روایات پر نقد و جرح کی گئی ہے جن کو سید مودودی نے ایک گروہِ صحابہ کو مطعون کرنے کے لئے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ جب کہ ان ناقدین نے ان اصولوں پر کوئی نقد واعتراض نہیں کیا جن کو اپنی کتاب میں درج کر کے سید مودودی نے اپنی کتاب کے قارئین کو ان مجروح روایات کو قبول کرنے کا داعیہ فراہم کیا ہے۔ حافظ صاحب نے اس ضرورت کو بخوبی سمجھا اور اپنی کتاب کے شروع کے دو ابواب کو خالص اس بحث تک مقید کر رکھا جس سے وہ قاری کے ذہن سے ان تمام شکوک وشبہات کا اصولی ازالہ کر سکیں جن کو سید مودودی نے اپنی کتاب کے

ضمیمہ جات اور آخری صفحات میں ثبت کر کے قاری کے ذہن کو صحابہ کے خلاف ان واہی روایات کو قبول کرنے کے لئے مسموم کیا ہے۔ اس بابت حافظ صاحب کی یہ کتاب نہایت منفرد ابحاث اپنے اندر رکھتی ہے جو اس موضوع پر لکھی جانے والی اور کسی کتاب میں نہیں ملتیں۔

مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس کتاب پر جب تبصرہ کیا تھا تو انہوں نے چند استفسارات بھی حافظ صاحب کے سامنے رکھے تھے، ان استفسارات کے جواب میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنے ایک مقالے کو جو الگ سے ''اسلامی خلفاء وملوک اور تاریخِ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ'' کے نام سے شائع ہوا تھا، کتاب کے اس نئے ایڈیشن میں شامل کیا ہے۔ یہ مقالہ 1980 کی دہائی کے وسط میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے تحت منعقدہ تیسرے مذاکرۂ ملی میں پڑھا گیا تھا۔ اس مقالے میں حافظ صاحب ''بعض مفکرین کی خامیاں اور کوتاہیاں'' کی سرخی قائم کر کے اسلامی ریاست کے قیام اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنے والے مفکرین کی مساعی کی تہہ دل سے تحسین کرنے اور معترف ہونے کے ساتھ ساتھ پورے احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کرتے ہیں کہ موجودہ دور کے جمہوری نظام سے مرعوب ہو کر ان مفکرین نے ملوکیت یا بادشاہت کو نہایت مذموم شے باور کروانے پر اپنی محنتیں صرف کر رکھی ہیں اور ایسا کرتے ہوئے یہ اصحاب خلفائے اربعہ اور امیر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے علاوہ تمام خلفاء وسلاطین سے سخت نالاں نظر آتے ہیں اور ان کا ذکر ناگوار انداز میں کرتے ہوئے ان کے دور حکومت کو جاہلی حکومتیں باور کرواتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب ''خلافت وملوکیت'' کے عنوان سے ایک بھرپور بحث کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کا اصل سیاسی نظام مباح ہے۔ شریعت کو اس سے قطعی بحث نہیں کہ نظام سیاسی کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی، سر حکومت کیسے برسر اقتدار آئیگا اور مختلف النوع معاشروں کو اسلامی برادری کے ایک رشتے میں کیسے منسلک کیا جائیگا۔ اللہ نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا تھا، اس میں یہ نہیں بتایا کہ اسکا دستور اساسی کیا ہوگا، وہاں الفاظ ہیں ﴿ کما استخلف الذین من قبلھم ﴾ (جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی)۔ دنیا میں حکومت کی جتنی اور جیسے بھی صورتیں رائج چلی آ رہی ہونگی ویسی ہی مسلمانوں کی حکومت بھی ہوگی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس حکومت کا مقصد دین برپا کرنا ہوگا اور اس کے قوانین ایسے

لچکدار ہونگے کہ دنیا کی ہر قوم انکے تحت زندگی بسر کر سکے۔ اگر ملوکیت یا بادشاہت واقعی کوئی مذموم شے ہوتی تو یہ بات کیسی عجیب ہے کہ پوری تیرہ صدیوں میں اسلامی بادشاہتیں قائم رہیں لیکن عہد خیرالقرون سمیت کسی دور میں بھی علمائے امت نے اس نظام حکومت کو نشانہ تنقید یا ہدف ملامت نہیں بنایا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں علمائے حق گزرے ہیں، ان کی موجودگی میں بادشاہی نظام قائم رہا، صحابہ کرام کے دور میں ایسا ہوا، تابعین و تبع تابعین کے دور میں فقہاء ومحدثین کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے جنھوں نے مختلف مواقع پر مختلف کاموں پر خلفائے اسلام کو ٹوکا لیکن ان میں سے کسی نے خلیفہ کو اپنے بعد اپنے بیٹے کو نامزد کرنے پر نہیں ٹوکا، کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ نظام حکومت صحیح نہیں ہے۔ تو پھر ہمارے موجودہ زمانے کے مفکرین کی یہ خامہ فرسائی کہ ملوکیت و بادشاہت سرتاپا مذموم ہے جس کے بانی ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جن کے عہد حکومت کے اختتام تک اسلامی حکومت کی تمام امتیازی خصوصیات مٹ چکی تھیں، سخت گمراہ کن نظریہ ہے، جس کی تبلیغ واشاعت سے اسلاف سے بدظنی کے علاوہ اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہونا۔ ملوکیت کے مباح ہونے کی تائید میں حافظ صاحب مختلف علماء ومورخین کے تائیدی اقوال بھی ساتھ ساتھ نقل کرتے جاتے ہیں۔

اسی مقالے میں ''بگاڑ کے اسباب'' کے عنوان کے تحت انتہائی عالمانہ اور منطقی بحث قائم کر کے حافظ صاحب صراحت سے ثابت کرتے ہیں کہ اس بگاڑ کی اصلی وجہ عربی کے اس مقولے میں پنہاں ہے کہ اعمالکم عمالکم یعنی جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسے حکمران تم پر مسلط ہونگے۔ دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے میں بحیثیت مجموعی تنزل و انحطاط واقع ہوتا رہا جس کا دائرہ کار اخلاقیات ومعاشرت سے لیکر معاشیات وسیاسیات تک محیط تھا۔ جبکہ ہمارے موجودہ مفکرین کی بنیادی غلطی یہ رہی کہ ان کے نقطہ نظر سے بگاڑ صرف سیاست میں آیا جبکہ بگاڑ ہر شعبہ زندگی میں اپنی تدریجی رفتار سے آیا جس کے اثرات سیاست پر بھی پڑے۔ اسی بات کو اپنی کتاب میں آگے جا کر ''بگاڑ کے چند بنیادی اسباب'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صاحب نے دورِ ابوبکر رضی اللہ عنہ، دور عمر رضی اللہ عنہ، دورِ عثمان رضی اللہ عنہ، دورِ علی رضی اللہ عنہ اور دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مختلف امثال لا کر واضح کیا ہے۔

ساتھ ہی ''موجودہ ملکی حالات سے متعلق چند باتیں'' کے تحت اپنی گزارشات قارئین کے سامنے رکھ کر حافظ صاحب اس نصیحت کے ساتھ مقالے کا اختتام کرتے ہیں کہ اصل ضرورت بحیثیت قوم اپنا رخ بدلنے کی ہے۔حکمرانوں کو کوسنا اور ہر غلط چیز کے لئے بیوروکریسی وغیرہ کو موردالزام ٹھہرانا کوئی حل نہیں ہے۔ یہ حکمران یہ بیوروکریٹ کوئی آسمان سے نہیں ٹپکے۔ یہ ہم آپ میں سے ہی اوپر اٹھ کر آتے ہیں۔ جب قوموں کا مجموعی مزاج ہی زوال کا شکار ہو تو پھر ان پر عمال وحکمران بھی بداعمال ہی مقرر ہوتے ہیں۔ سو اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ بحیثیت فرد، بحیثیت قوم ہم اسلامی قوانین اور اخلاقی ضابطوں کی پابندی کریں اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغاوت کا وہ راستہ چھوڑ دیں جس پر اس وقت ہماری پوری قوم گامزن ہے۔اس مقالے پر تفصیل سے اس لئے تبصرہ کیا گیا کہ درحقیقت یہ تبصرہ حافظ صاحب کی کتاب کے شروع کے دو ابواب کی ابحاث کا منطقی نتیجہ بھی ہے۔ گویا اس مقالے میں حافظ صاحب نے اپنے ان دو ابواب کی ابحاث کو منطقی نتائج کے طور پر سمیٹ دیا ہے۔

باب دوم میں ''چند بنیادی مباحث اور ان کی تنقیح'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ سید مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے ضمیمہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ جہاں وہ باری باری سید مودودی کے ان تمام نکات کا جواب دیتے ہیں جن کے ذریعے وہ قاری کے ذہن کو صحابہ پر ہونے والی تنقید کے لئے تیار کرتے ہیں۔اسی مبحث میں ''عدالتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بحث'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صلاح الدین یوسف بتاتے ہیں کہ سید مودودی پہلے خود سے ''عدالتِ صحابہ'' سے متعلق اہلسنت کے غلط مؤقف کی ترجمانی کرتے ہیں اور پھر اس کے رد پر دلائل لے کر آتے ہیں جبکہ سید مودودی جس موقف کو اہلسنت سے منسوب کرتے ہیں وہ کبھی اہلسنت کا موقف رہا ہی نہیں ہے۔ اہلسنت نے کبھی بھی صحابہ کو عادل بمعنی معصوم نہیں سمجھا۔ان کا اصل مقدمہ ومؤقف یہ ہے کہ صحابہ معصیت پر اصرار نہیں کر سکتے اور ساتھ ہی ان کے کردار پر حرف لانے والی ہر روایت کو الجرح والتعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کردار کی رفعت وعظمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس پر غیر ثابت تاریخی روایات کے تحت نقد نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ سید مودودی نے اپنی کتاب میں جا بجا کیا ہے۔

اس باب دوم کی دلچسپ ترین بحث وہ ہے جہاں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ''ماخذ کی بحث'' کی سرخی قائم کر کے رواۃِ تاریخ کا علمی واخلاقی مقام اور تاریخ نگاری میں مؤرخین کا طرزِ عمل وغیرہ کی ذیلی سرخی قائم کر کے ابن جریر طبری، ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن الاثیر اور ابن کثیر کی کتب کے منہج سے متعلق قارئین کو بیش بہا معلومات سے روشناس کرواتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان مؤرخین نے زیادہ تر صرف نقلِ روایات کا کام کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی تنقیحِ روایات کا نہ دعویٰ کیا اور نہ اس کی صد فیصد پیروی کی، خاص کر ابن جریر طبری نے تو کسی طور سے تنقیح کا کام نہیں کیا بلکہ اس متعلق ان کی کتاب تاریخ نہیں موادِ تاریخ پر مبنی ہے۔

کتاب کے باب سوم میں ''خلافتِ راشدہ اور اس کی خصوصیات'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صاحب نے، سید مودودی نے خلفائے اربعہ کے انتخاب سے متعلق جو غلط بیانی کی، اس کا پردہ بدلائل چاک کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مولانا مودودی نے خلفائے اربعہ کے انتخاب کو مغربی جمہوریت کی طرز پر باور کروانے کی سعی لاحاصل کی ہے جو کہ ثابت شدہ تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ اس سلسلے میں حافظ صاحب نے ''خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انتخاب کی نوعیت'' کی ذیلی سرخی قائم کر کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر بالترتیب سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور سیدنا حسن رضوان اللہ اجمعین کے برسرِ اقتدار آنے کی اصل نوعیت واضح کی ہے کہ ہم جب خاص تاریخ خلافت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نصب امام کا کوئی خاص طریقہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بن ساعدہ میں اچانک اٹھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انکو خلیفہ بنانے پر پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو محض اپنے ذاتی اجتہاد سے خلیفہ مقرر کیا اور اس سلسلے میں کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد محض اپنی مرضی سے پوری امت مسلمہ میں سے صرف 6 آدمیوں کا انتخاب بغیر کسی مشورہ کے کیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہنگامی حالات میں قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے منتخب کیا جس کی وجہ سے کثیر تعدادِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی بیعت سے محترز رہے جبکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پوری دنیائے اسلام میں سے صرف اہل کوفہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے اپنا امیر مقرر کیا۔ یہ تاریخی حقائق تو صاف بتاتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ کے انتخاب کا کوئی واحد طریقہ مقرر ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد کتاب کا باب چہارم شروع ہوتا ہے جس میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ سب سے اوّل سید مودودی کی طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر عائد ہونے والے الزامات کا جائزہ لے کر ان کا غلط و غیر ثابت ہونا مبرہن کرتے ہیں۔اس سلسلے میں حافظ صاحب اس پس منظر کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا ہوئی تھی یعنی سبائیوں اور منافقین کی اسلام مخالف ریشہ دوانیاں۔اس شورش یا بے چینی کا کوئی تعلق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسوں اور حکومتی طرزِعمل سے نہ تھا۔اس سلسلے میں جو جو لغو بیانیاں سید مودودی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جناب میں کی ہیں،حافظ صاحب ایک ایک کر کے ان کے تار بود اکھیڑتے ہیں۔

اسی سرخی کے تحت ذیلی سرخیاں: طلقاء بحیثیت عمالِ حکومت، عمال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمال حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سیرت و کردار کی قلب ماہیت، حکم بن العاص کی جلا وطنی سے غلط استدلال، بُرے کردار کا ظہور، حضرت ولیدؓ کے متعلق ایک تفسیری روایت اور اس کی اسنادی تحقیق، حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی شراب نوشی کا واقعہ، حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی سیکرٹری شپ، حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خط اور اس کی حقیقت وغیرہ قائم کر کے حافظ صلاح الدین یوسف بھرپور علمی دلائل کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سید مودودی کی طرف سے لگائے گئے ایک ایک اعتراض کا تشفی بخش جواب دیتے ہیں اور ساتھ ہی ''سازش اور نرمی: شورش کے حقیقی اسباب'' کی سرخی قائم کر کے قارئین کو اس حقیقت سے روشناس کرواتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش کی اصل وجہ ان کی نرمی اور منافقین کی اسلام دشمن سازشیں تھیں اور یہی وہ اصل وجوہات تھیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع خلیفہ راشد کی شہادت پر منتج ہوئیں نہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی ''مزعومہ غیر صائب پالیسیاں'' جیسا کہ سید مودودی نے باور کروانا چاہا ہے۔

باب چہارم کی فصل سوم میں ''جنگ جمل'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صاحب پوری شرح و بسط کے ساتھ اصحابِ جمل کا مؤقف قارئین کے سامنے رکھتے ہیں کہ اصحابِ جمل کا اصل مقصد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مستولی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا زور کم کرنا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے چنگل سے نکالنا تھا نہ کہ حکومتِ وقت کے خلاف کسی طور کی مسلح بغاوت مراد تھی۔اس مبحث میں جنگِ جمل سے متعلق جتنی غلط بیانیاں تاریخ میں مذکور ہیں جن کو سید مودودی نے بھی اپنی کتاب میں زینت بخشی ہے، حافظ صلاح الدین حفظہ اللہ نے ایک ایک کر کے ان کا

ابطال اور صحیح واقعات کی درست توجیہات پیش فرمائی ہیں۔ خاص کر جنگِ جمل میں فتنہ پروری اور قتلِ طلحہ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں جو غیر ثابت الزامات سید مودودی نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر عائد کئے ہیں، حافظ صاحب نے ان کا مفصل و مدلل رد نقل کر کے قارئین کی تشفی کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

باب چہارم کی فصل چہارم میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے جنگ صفین سے متعلق مبحث کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور اس سلسلے میں سید مودودی کی تقریباً ہر غلط بیانی اور صحیح واقعات سے غلط استدلال کی حقیقت قارئین کے سامنے واضح کردی ہے۔ اس فصل میں حافظ صاحب مختلف تاریخی حقائق و حوالہ جات سے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصل و صائب مؤقف ہدیۂ قارئین کرتے ہیں کہ ان کے پیشِ نظر صرف قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا تھا ورنہ ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے کوئی مسئلہ نہ تھا جیسے کہ سید مودودی نے باور کروانا چاہا ہے کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیشِ نظر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ خلیفۂ وقت سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا تھا (خلافت وملوکیت صفحہ 133)''۔ اسی فصل میں سیدنا مودودی نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا شرحبیل بن السمط رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرداروں پر کذب بیانی، جھوٹی گواہیوں اور دیگر معاصی کی جو تہمتیں لگائی ہیں، حافظ صاحب مختلف ادلّہ سے ان سب کا بھرپور رد کرتے ہوئے ان تاریخی اکاذیب کے تار و پود اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

فصلِ پنجم میں حافظ صلاح الدین حفظہ اللہ ''معاہدۂ تحکیم'' پر گفتگو فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں سید مودودی نے غیر درست تاریخی حقائق کے زیرِ اثر جو جو غلط بیانی اور واقعات کی غیر صائب تشریحات کی ہیں، ان سے متعلق ان کا مفصل رد کرتے ہیں۔ اسی فصل کے آخر میں حافظ صاحب علامہ ابن عبدالبر کی اس بے سند روایت پر بھی مفصل کلام کر کے اس کا غیر مؤثر ہونا بیان فرماتے ہیں جس کو بنیاد بنا کر سید مودودی نے اپنی کتاب میں یہ لغو بیانی کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر غیر جانبدار حضرات میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور مسروق بن اجدع رحمہ اللہ اور جانبین میں سے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے پر سخت نادم تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نہ روایتاً ثابت ہے اور نہ درایتاً قابلِ قبول۔

باب چہارم کی فصل ششم میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر یزید کی ولایت عہد سے متعلق عائد کردہ مطاعن کا مفصل رد فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں علامہ ابن خلدون کا شافی و مدلل موقف نقل کرنے کے بعد ٹیپ کا وہ پورا بند نقل فرماتے ہیں جو سید مودودی نے خلافت وملوکیت میں اس ضمن میں نقل کیا ہے۔ سید مودودی کی پیش کردہ ان تاریخی خرافات پر حافظ صلاح الدین یوسف حواشی میں تعلیقات چڑھا کر ان کا مدلل آپریشن کرتے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دس صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث میں حافظ صاحب نے اس مسئلہ کا اتنا مدلل رد کیا ہے کہ اس کو کتاب کے بہترین مندرجات میں سے شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

طبع جدید کے صفحہ نمبر 437 سے باب پنجم کا آغاز ہوتا ہے جس میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ''خلافت وملوکیت کا فرق اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت'' کا عنوان قائم کرکے اس سلسلے میں سید مودودی کی غلط بیانیوں کا پردہ قارئین کے سامنے چاک کرتے ہیں اور سید مودودی کی جانب سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد اعتراض کا مدلل رد کرتے ہیں کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے بنانے سے خلیفہ نہ بنے تھے بلکہ وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے، سوانہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔'' اس سلسلے میں حافظ صاحب بتاتے ہیں کہ اگر فی الواقع سید مودودی کی پیش کردہ یہ تاریخی تصویر درست ہوتی تو پوری مملکتِ اسلامیہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس طرح متفق نہ ہوتی جس طور وہ اس سے پہلے تین خلفاء کی خلافت پر ہوئی تھی جبکہ یہی امت آخر وقت تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ذیل میں متحد و متفق نہ ہوسکی، سو اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی کوئی آئینی سقم ہوتا تو یہ امت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کی خلافت پر بھی متفق نہ ہوتی۔ ہم عصر امت کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتھ یہ طرزِ عمل سید مودودی کے ان تمام دعاوی کی نفی کر دیتا ہے جن کے ذریعے سید مودودی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک آئینی خلیفہ کے بجائے ایک مُتغلِب حکمران باور کروانا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ایک ایک کرکے حافظ صاحب سید مودودی کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کردہ تمام اعتراضات کا مدلل و تشفی بخش رد کرتے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت کے سلسلے میں ہی آگے جا کر ''حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صاحب سید مودودی کی اس لغو بیانی کا مدلل رد فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے خود وہ اور ان کے گورنر محراب ومنبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں حافظ صاحب پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ کسی ایک صحیح تاریخی روایت سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے عمال نے کبھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا ہو۔ اس سلسلے میں صحیح ترین روایات میں جو کچھ ملتا ہے تو وہ سَبّ بمعنی نقد ہے جو کہ طالبینِ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر قصاص سے متعلق تساہل برتنے کی بناء پر کرتے تھے۔ اس کو سَبّ بمعنی گالی قرار دینا سخت ظلم اور مقامِ صحابیت سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں ''استلحاق زیاد'' سے متعلق بھی حافظ صاحب سید مودودی کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کسی ذاتی مفاد کی ''کارستانی'' نہیں بلکہ حق پرستی اور حقدار کو اس کا حق دلانے کے اثبات میں تھا جس بابت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قابلِ اعتبار شہادتیں مل جانے کے بعد کسی لومۃ لائم کی پرواہ کئے بنا ایک ''ولد الزنا'' کو اپنے خاندان میں شامل کیا۔ یہ کام جو درحقیقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں شمار کیا جانا چاہیئے تھا، سید مودودی جیسے اصحابِ تنقید نے اس کو بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کے زمرے میں شامل کر دیا۔ اس سلسلے میں حافظ صاحب حواشی میں ان ''جواب الجواب'' پر بھی تبصرہ فرماتے جاتے ہیں جو کہ سید مودودی کے ''وکیل صفائی'' جناب ملک غلام علی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' کے دفاع میں رقم کئے ہیں۔ چونکہ ملک غلام علی صاحب کی حیثیت سید مودودی کے ''وکیلِ صفائی'' کی ہے اور سید مودودی کے نزدیک وکیل صفائی کا بیان لائقِ اعتناء نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ''وہ صرف اس مواد کی طرف مراجعت کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہو''، سو سید مودودی کے پیش کردہ اپنے اصول کے تحت ملک غلام علی صاحب کی توضیحات کسی صورت لائقِ اعتناء نہیں رہ جاتیں کہ ان کے مفصل رد پر وقت برباد کیا جائے۔

باب پنجم کی فصل دوم میں ''مولانا مودودی کے 8 سوال اور ان کا جواب'' کی سرخی قائم کر کے حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ''خلافت وملوکیت'' کے خاتمۂ کلام پر سید مودودی کی طرف سے معترض حضرات کی جناب میں پیش کئے گئے ان سوالات کا مفصل لیکن مدلل جواب دیتے ہیں جو اپنی کتاب کے مندرجات سے

اختلاف رکھنے کی صورت میں متبادل اشکالات کے ضمن میں سید مودودی نے پوچھے ہیں۔اس سوالات کے جوابات کے تحت حافظ صاحب نہایت آسان انداز میں اسلامی ریاست کے قواعد اور اصولِ حکمرانی سے متعلق بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اسلامی کا بنیادی قاعدہ اور اصول اللہ کی حاکمیت ہے جس کا انتظام و انصرام ہر اس شخص پر واجب ہے جس کو کسی طور سے بھی مسلمانوں کا اقتدار نصیب ہوجائے۔اس سلسلے میں اس کے برسرِ اقتدار آنے کے طریقے سے زیادہ اس بات کی اہمیت ہے کہ اسکا اندازِ حکمرانی آیۂ استخلاف کے تحت ہے یا نہیں۔اگر اس کا اندازِ حکمرانی آیۂ استخلاف کے تحت ہے تو فبھا اور اگر اس کے مخالف ہے تو اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس نے ''لڑکر بادشاہت'' حاصل کی ہو یا کسی شوروی حکومت کے ذریعے ''منصب خلافت'' پر براجمان ہوا ہو۔اس فصل کے آخر میں حافظ صاحب ''ہمارا نقطۂ نظر اور اس کے ثمراتِ حسنہ'' اور ''خلافت وملوکیت اور اس کے نتائج'' کی سرخیاں قائم کر کے فرق واضح کرتے ہیں کہ ان کے نقطۂ نظر کے تحت مسلمانوں کی اسلامی تاریخ ایک شاندار وتابناک دور کے طور پر نظر آتی ہے جہاں اپنے اسلاف اور صحابہ سے مؤدت ومحبت اور ان کی اتباع کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جبکہ ''خلافت وملوکیت'' میں پیش کردہ نتائج کے تحت محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں قابلِ فخر کچھ ہے نہیں اور ساتھ ہی ہمارے اسلاف اور صحابہ اس لائق بھی نظر نہیں آتے کہ انسان کسی معاملے پر ان پر بھروسہ کرسکے چہ جائیکہ ان کی اتباع پر خود کو مجبور کرے۔

باب ششم جو کہ کتاب کا آخری باب ہے اس باب میں حافظ صلاح الدین یوسف ''غلوعقیدت کی کرشمہ کاریاں'' کے عنوان کے تحت سید مودودی کے 2 وکلائے صفائی جناب ماہر القادری، مدیر فاران اور جناب عامر عثمانی مدیر تجلّی دیوبند کی توضیحات کی گوشمالی فرماتے ہیں جو کہ اس الزام کے ساتھ خلافت وملوکیت کے ناقدین پر برستے ہیں کہ خلافت وملوکیت پر ناقدین کا نقد دفاعِ صحابہ کے ضمن میں نہیں بلکہ سید مودودی کے ناقدین کی ان سے بے جا بغض کی خامہ فرسائی ہے۔اس سلسلے میں ماہر القادری صاحب کی جولغو بیانیاں ہیں وہ تو پھر بھی کسی طور قابلِ برداشت ہیں کہ سید مودودی کی خلافت وملوکیت سے قبل بھی ماہر القادری صاحب کا ذہن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق انہیں خیالات کی آماجگاہ تھا جس کی صدائے بازگشت سید مودودی کی کتاب میں سنائی پڑتی ہے۔سو ماہر القادری صاحب کی توضیحات تو صرف ''سونے پر سہاگہ'' کے زمرے میں ہیں

لیکن مولانا عامر عثمانی صاحب کا کیا کیا جائے جو کہ عرصۂ دراز تک تجلّی کے صفحات کو جناب محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رحمہ اللہ کے مندرجات کے دفاع میں'' سیاہ کرتے رہے اور اس سلسلے میں جس کسی اکابر اہلسنت نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا امیر یزید رحمہ اللہ کی جناب میں کوئی ''گستاخی'' کی اس کو بلا کسی لاگ لپیٹ کر بازاری زبان میں کہا جائے تو ''رگڑ'' کر رکھ دیا۔لیکن جب انہیں خیالات کی عکاسی سید مودودی نے خلافت وملوکیت میں کی تو سید مودودی کی محبت وعقیدت نے صحابہ کی محبت وعقیدت پر غلبہ پالیا اور عامر عثمانی صاحب کو خلافت وملوکیت میں کچھ خاص قابلِ اعتراض نظر ہی نہیں آیا۔ یہ موضوع بھی حافظ صاحب کی کتاب کے ان موضوعات میں سے ایک ہے جس کو قارئین از حد دلچسپ اور علمی پائیں گے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کتاب کا اختتام اپنے ایک مضمون ''خلافت وملوکیت کے برگ و بار'' کے ساتھ کرتے ہیں جو کہ 1968ء میں الاعتصام میں چھپا تھا۔ اس مضمون کا محرّک 31 مئی 1968ء میں ہفت روزہ ''آئین'' میں جناب میاں محمد طفیل کا ایک مضمون بنا جس میں میاں محمد طفیل جیسے سنجیدہ مزاج اہل علم ''خلافت وملوکیت'' کے اثرات سے متاثر ہوکر ''یزید پلید'' کی اصطلاح رقم فرماتے ہیں جبکہ اس سے پہلے جماعتِ اسلامی کے پوری لٹریچر میں یزید کے نام کے ساتھ کبھی ''پلید'' جیسا واہیات لفظ پڑھنے کو نہ ملا۔ یہ برگ و بار ہے اس نفسیاتی اثر کا جو سید مودودی کی ''خلافت وملوکیت'' جماعتِ اسلامی کے پڑھے لکھے اور سنجیدہ طبقہ تک پر مرتب کررہی ہے، عوام الناس کا تو شمار ہی کیا۔ اسی مضمون میں حافظ صاحب جماعتِ اسلامی کے اراکین سے اس بات کا گلہ بھی کرتے ہیں کہ وہ یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ سید مودودی انسان تھے اور ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے لیکن شومئ قسمت کے جب ان کے سامنے سید مودودی کی کسی غلطی کا ذکر کیا جائے تو جماعت کے ہی بعض اراکین یوں خم ٹھونک کر میدان میں اتر آتے ہیں کہ گویا سید معصوم عن الخطاء ہو اور ان سے کسی غلطی کا صدور امرِ محال ہے۔ گویا کہنے کی حد تک تو سید مودودی سے غلطی کا امکان ہے لیکن جماعتِ اسلامی کے متعصب اراکین کا طرزِ عمل اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس ''امکان'' کا تصور سید مودودی سے کبھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔ یہ کیسی دورخی ہے، ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

المختصر حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی زیرِ نظر کتاب پر تبصرہ شاید ضرورت سے زیادہ ہی طویل ہوگیا جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تبصرے کی طوالت میں کچھ قصور حافظ صاحب کا بھی ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب کو ایسے ثقہ وثبت اور مفید مندرجات سے بھر دیا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ہر مبحث پر تبصرہ کرتے چلے گئے کہ حافظ صاحب کی قائم کردہ ہر بحث ہے ہی اس قابل کہ اس کو چھوڑنا یا اس سے صرفِ نظر کرکے گزر جانا کافی مشکل محسوس ہوتا رہا اور یہی وجہ رہی کہ کتاب پر یہ تبصرہ اس قدر طویل ہوچلا۔ امید کرتے ہیں کہ قارئین اس سلسلے میں ہمیں معذور سمجھیں گے اور اس تبصرے کو کتاب کے مندرجات سمجھنے کے لئے کسی حدتک مفید وموزوں پائیں گے۔